ماہنامہ
اگست 2026ء

طلوعِ اسلام

لاہور
اشاعت کا بیاسی واں سال

قرآنی نظام
ربوبیت کا
پیامبر

لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (الحدیث)

حضرت محمد ﷺ کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ باطل ہے

علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ
کی خواہش پر 1938ء سے شائع
ہونے والا ماہنامہ

یومِ پرویزؒ کی مناسبت سے پروگرام کی تصویری جھلکیاں

(بزمہائے طلوعِ اسلام سوات)

مورخہ: 5 جولائی 2026ء

اقلیم خان اپنے خیالات کا اظہار فرماتے ہوئے

خورشید انور چیئرمین ادارہ خطاب فرماتے ہوئے

حاضرینِ مجلس کا ایک منظر

سماعت گاہ کے مناظر

ماہنامہ
طلوعِ اسلام
لاہور
اگست 2026ء

جلد 79 شمارہ نمبر 08

اس شمارے میں

صفحہ نمبر	مصنف	عنوان
4	محمد سلیم اختر	لمعات: تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں
7	علامہ پرویز علیہ الرحمہ	انقلاب محمدی صلی اللہ علیہ وسلم
13	علامہ پرویز علیہ الرحمہ	جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں!
39	ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد	قرآنی نظریہ قومیت
48	خورشید انور، سوات	منگورہ سوات میں یومِ پرویز (علیہ الرحمہ) پر چیئرمین ادارہ کا خطاب
53	بزمہائے سوات	یومِ پرویزؒ
55	بشیر احمد قریشی	نظریۂ پاکستان
57	امجد محمود، راولپنڈی	ایک مراسلت
59	عارف محمود کسانہ، سویڈن	بچوں کا صفحہ: آدم اور فرشتوں کی کہانی

چیئرمین: خورشید انور

مجلسِ ادارت
ڈاکٹر انعام الحق، ڈاکٹر اعجاز رسول
اقبال ادریس ایڈووکیٹ

مدیر انتظامی: محمد سلیم اختر

قانونی مشیر: ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

ادارہ کا مضمون نگار کی تحریر سے کُلی اتفاق ضروری نہیں۔

زرِ تعاون: 100 روپے فی پرچہ
پاکستان: 1200 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک: 1500 روپے سالانہ

ادارہ طلوعِ اسلام B-25 گلبرگ 2، لاہور 54660، (پاکستان)
Phone: 042-35714546
Cell: +92 310-4800818
Cell: +92 318 2221851
idarati@gmail.com www.facebook.com/Talueislam

Bank Account Idara Tolu-e-Islam
National Bank of Pakistan, Main Market Branch Gulberg Lahore

For Domestic Transactions	For International Transactions
Bank A/C No: 0465004073177672	IBAN:PK36NBPA0465004073177672 Swift Code: NBPAPKKAA02L

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

ناشر: عرفان راٹھور اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

طلوعِ اسلام

عقابی شان سے جھپٹے تھے جو، بے بال و پر نکلے
ستارے شام کے خونِ شفق میں ڈوب کر نکلے
ہوئے مدفونِ دریا زیر دریا تیرنے والے
طمانچے موج کے کھاتے تھے جو، بن کر گہر نکلے
غبارِ رہ گزر ہیں، کیمیا پر ناز تھا جن کو
جبینیں خاک پر رکھتے تھے جو، اکسیر گر نکلے
ہمارا نرم رو قاصد پیامِ زندگی لایا
خبر دیتی تھیں جن کو بجلیاں وہ بے خبر نکلے
حرم رسوا ہوا پیر حرم کی کم نگاہی سے
جوانانِ تتاری کس قدر صاحب نظر نکلے
زمیں سے نوریانِ آسماں پرواز کہتے تھے
یہ خاکی زندہ تر، پائندہ تر، تابندہ تر نکلے
جہاں میں اہل ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے، اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے
یقیں افراد کا سرمایۂ تعمیر ملت ہے
یہی قوت ہے جو صورت گر تقدیر ملت ہے

(بانگِ درا۔علامہ اقبالؒ)

(جاری ہے)

محمد سلیم اختر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

14 اگست محض ایک تقویمی تاریخ یا رسمی جشنِ آزادی کا دن نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ملت کے وجود اور اس کے تاریخی سفر کے کڑے محاسبے کا دن ہے۔ آج سے تقریباً آٹھ دہائیاں قبل برصغیر کے کروڑوں مسلمانوں نے جس آزاد وطن کا خواب دیکھا تھا، وہ کوئی جغرافیائی ٹکڑا حاصل کرنے کی عام دنیاوی مہم جوئی نہیں تھی۔ وہ تاریخِ انسانی کا ایک ایسا بے نظیر تجربہ تھا جہاں ایک منتشر قوم نے اپنی بقا، عزت اور نظریاتی اساس کے تحفظ کے لیے دنیا کی عظیم ترین قوتوں کے خلاف پرامن سیاسی و فکری جدوجہد کی۔ لیکن آج، جب ہم اگست 2026ء کے مطلع پر کھڑے ہیں، تو ہمیں مڑ کر دیکھنا ہوگا کہ ہم نے اس امانت کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ کیا ہم نے اس وطنِ عزیز کو واقعی ''مدینہ'' ثانی کے قالب میں ڈھالا یا ہم نے اس عظیم امانت کو اپنے شخصی اور گروہی مفادات کی بھینٹ چڑھا دیا؟

مسلمانانِ برصغیر کی جو تقدیر علامہ اقبالؒ کے کارگہِ فکر سے نقش پذیر ہو کر نکلی تھی، اس کے عملی حصول کے لیے جس غیر متزلزل قیادت اور جرأتِ رندانہ کی ضرورت تھی، اس کے لیے حکیم الامت کی جوہر شناس نظرِ انتخاب بانیِ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ پر پڑی۔ اقبال علیہ الرحمہ جانتے تھے کہ جس نظریاتی ریاست کا خاکہ وہ پیش کر رہے ہیں، اسے ایک ایسا ہی مدبر اور بااصول رہنما عملی جامہ پہنا سکتا ہے جو سودے بازی سے کوسوں دور ہو۔ مسلمانوں کی قسمت قائد کے ہاتھ سونپنے سے پہلے ہی علامہ اقبالؒ نے انہیں خط لکھ کر برصغیر کے معاشی اور معاشرتی بحران کی جڑ کی نشاندہی کر دی تھی۔ انہوں نے واضح الفاظ میں لکھا تھا کہ اس وقت حالت یہ ہے کہ روٹی کا مسئلہ دن بدن نازک ہوتا چلا جا رہا ہے۔ مسلمان محسوس کر رہا ہے کہ وہ گزشتہ دو سو سال سے نیچے ہی نیچے جا رہا ہے، اس لیے سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کے افلاس کا کیا علاج ہو؟ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اسلامی آئین کے پاس اس کا حل موجود ہے۔ اس آئین کو دورِ حاضرہ کے تصورات کی روشنی میں مزید نشوونما دی جاسکتی ہے۔ اسلامی آئین کے طویل اور گہرے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر اس نظام کو اچھی طرح سے سمجھ کر نافذ کر دیا جائے تو اس سے کم از کم ہر فرد کو سامانِ نشوونما دیا جاسکتا ہے۔

قائدِاعظم محمد علی جناحؒ، جنہیں اقبالؒ نے اس عظیم معرکے کے لیے چنا تھا، خود بھی اسی پختہ نظریاتی عقیدے کے حامل تھے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ معاشی بدحالی اور غلامی کا واحد علاج قرآنی معاشرت کا نفاذ ہے۔ چنانچہ 1941ء میں حیدر آباد کے مقام پر خطاب کرتے ہوئے آپ نے اپنے دلی یقین کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا تھا کہ انہوں نے قرآن مجید اور

قوانینِ اسلامیہ کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیم الشان کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی، سیاسی ہو یا معاشی، غرضیکہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطہ سے باہر ہو۔ قرآن کریم کی اصولی ہدایات اور سیاسی طریق کار نہ صرف مسلمانوں کے لیے بہترین ہیں، بلکہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے لیے حسنِ سلوک اور آئینی حقوق کا جو حصہ ہے، اس سے بہتر تصور ناممکن ہے۔

یہ وہ لازوال معاشی اور سیاسی محرکات تھے جنہوں نے برصغیر کے طول وعرض میں بکھرے ہوئے مسلمانوں کو ہر قسم کی مخالفت کے باوجود ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دیا۔ انہوں نے ثابت کر دیا کہ وہ رنگ، نسل اور زبان کے اختلافات سے ماورا ہو کر بحیثیتِ مسلمان ایک ''ملتِ واحدہ'' ہیں اور انہیں اپنی معاشرت کو اسلامی قالب میں ڈھالنے کے لیے ایک ایسے خطہء ارض کی ضرورت ہے جو اجنبی اور سامراجی اثرات سے یکسر پاک ہو اور جسے وہ آزادانہ قرآنی تعلیمات کا حقیقی گہوارہ بنا سکیں۔ ان پاک امنگوں اور حسین آرزوؤں کا ہی صدقہ تھا کہ تمام تر مادی اسباب کی کمی کے باوجود، دنیا کے نقشے پر کرہء ارض کی سب سے بڑی اسلامی مملکت معرضِ وجود میں آ گئی۔ وہ قوم جو نوے سال قبل 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد اپنی عزت، دولت اور حشمت سے اس قدر محروم کر دی گئی تھی کہ اس کا اپنا وجود خطرے میں تھا، وہ اب ایک ایسی جدید مملکت کی مالک بن چکی تھی جس کا مقام تاریخِ اسلام میں دوسرے ''مدینہ'' کے جیسا تھا کہ یہاں وہ اپنے خوابوں کی تعبیر اور تصورات کی تشکیل بے روک ٹوک اور بلا خوف وخطر کر سکتے تھے۔

لیکن تاریخ کا المیہ دیکھیے کہ قائد اعظمؒ جو اس قوم کو ایک نہیں بلکہ متعدد استعماری فرعونوں کے چنگل سے نکال کر امن و سلامتی کی اس سرزمین پر لائے تھے، انہیں ہم سے بہت جلد چھین لیا گیا۔ ان کی وفات کے بعد ملک میں وہ عجیب افراتفری مچی جس کی مثال کسی بزرگ کے اٹھ جانے کے بعد اس کی ناخلف اولاد کی سرکشی سے دی جاسکتی ہے۔ نام نہاد آزادی کی زندگی کو دیکھا جائے تو پاکستان قرونِ وسطیٰ کا وہ دربار نظر آتا ہے جس میں بادشاہ کے مرجانے کے بعد سازشوں کا جال بچھ گیا ہو۔ حصولِ پاکستان کے فوراً بعد جو پہلا سوال اٹھنا چاہیئے تھا کہ جس قرآنی نظمِ معاشرت کے تجربے کے لیے اس خطہء ارض کو حاصل کیا گیا ہے، اس کا حقیقی فکری خاکہ کیا ہے اور اسے کس طرح نافذ کیا جائے؟ اسے یکسر فراموش کر دیا گیا۔

ایک طرف تو نوزائیدہ مملکت کو دشمنوں کی ریشہ دوانیوں نے گھیر لیا جس سے عہدہ برآ ہونا آسان نہ تھا، اور دوسری طرف ہمارے نام نہاد قائدین مہماتِ امور سے ہٹ کر ذاتی اقتدار کے حصول میں منہمک ہو گئے جس سے موانعاتِ راہ ناقابلِ عبور بن گئیں۔ چنانچہ آزادی کے ابتدائی آٹھ سالوں میں ہمارے دستور سازوں نے قرآنی اصولوں کو مدون اور مترتب کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی تا کہ ان کے مطابق ملک کا دستور تیار کیا جاسکے۔ چونکہ وہ خود اس فکری میدان کے مرد نہیں تھے، اس لیے ان کا خود یہ کام نہ کرنا کسی حد تک سمجھ میں آتا ہے، لیکن جو چیز بالکل ناقابلِ فہم اور ناقابلِ معافی تھی وہ یہ تھی کہ انہوں نے فکرِ اقبال کے اس مکتبِ فکر سے ذرا بھی استفادہ نہیں کیا جو قرآنی اصولوں کی تشکیلِ نو میں مصروف تھا۔ اس مکتبِ فکر، یعنی ''ادارہ طلوعِ اسلام'' نے اسلامی نظام اور قرآنی دستورِ پاکستان کو اس وضاحت سے مرتب کر کے ان کے سامنے پیش کیا کہ اس کی

مثال سارے اسلامی لٹریچر میں نہیں ملتی۔ لیکن اس بے مثل علمی سرمائے اور کاوش کے بے نظیر نتائج کو ہاتھ تک لگانا گوارا نہ کیا گیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہماری ملی حیات کا موجودہ نقشہ انتہائی مایوس کن ہے، لیکن ہمیں اس سے حوصلہ نہیں ہارنا چاہیے۔ افراد تو گھبرا کر خودکشی کر سکتے ہیں، مگر زندہ قومیں کبھی خودکشی نہیں کرتیں۔ یہ عملاً ناممکن ہے۔ لہٰذا آیئے سوچیں کہ ''پس چہ باید کرد!'' یہ حقیقت ہے کہ گزشتہ 79 سال (بلکہ اب تک کے عرصے) میں ہم قدم قدم پر مات کھاتے رہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ نتیجہ ہماری غلط روشِ زندگی کا ہے اور یہ بھی کہ ہم جس آئیڈیالوجی کو لے کر چلے تھے اسے ہم نے کہیں بھی نہیں آزمایا۔ لہٰذا جہاں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم اب تک ناکام ہوئے، وہاں یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ یہ ناکامی ہماری آئیڈیالوجی کی ناکامی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے کہ ہماری آئیڈیالوجی ناکام نہیں ہوئی بلکہ ابھی اسے آزمایا ہی نہیں گیا، تو اس آئیڈیالوجی کو اچھی طرح سمجھئے اور اسے عملاً زندگی کے تمام شعبوں میں نافذ اور رائج کیجئے۔ ہماری خوش بختی ہے کہ ہماری آئیڈیالوجی بالکل محفوظ حالت میں قرآن میں موجود ہے، گویا ہم نے کچھ کھویا نہیں ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم قرآن کو ضابطہء حیات بنائیں۔ اس کے لیے ایک مضبوط اور ناقابلِ تسخیر قومی عزم کی ضرورت ہے۔ ہم میں آج تک اس عزم کا فقدان رہا ہے۔ قومیں اس سے محروم ہو کر موت سے ہمکنار ہو جاتی ہیں اور جب اس دولت کو پا لیتی ہیں تو ان کی موت زندگی سے بدل جاتی ہے۔ گزشتہ صدی کی کئی قابلِ تقلید مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ جاپان، چین، جرمنی اور ترکی اسی طرح پستیوں سے ابھرے اور انہوں نے زندہ قوموں کی صف میں ممتاز جگہیں حاصل کر لیں۔ ہم جس قدر ذلت میں گرے ہیں وہ اپنے اعمال کی بدولت ہے اور اپنے اعمال کے زور پر ہم بامِ عروج پر پہنچ سکتے ہیں۔ ہمارا ابھرنا زیادہ یقینی ہے کیونکہ ہم میں قرآن موجود ہے جو انسانیت کے لیے واحد ضابطہء حیات ہے۔

بہ حیثیت مسلمان، ہماری ملی زندگی کے لیے بنیادی اسباب میں سے دو ہی چیزوں کی ضرورت تھی۔ ایک ہماری بے مثل و بے نظیر آئیڈیالوجی اور دوسرے وہ خطہء زمین جس میں اس آئیڈیالوجی کو نافذ کیا جا سکے۔ ہماری آئیڈیالوجی (قرآن) تو شروع سے محفوظ چلی آ رہی ہے اور ہمیشہ محفوظ رہے گی۔ اللہ کا شکر ہے کہ وہ خطہء زمین جسے ہم نے اس کے لیے حاصل کیا تھا وہ بھی ابھی تک محفوظ ہے۔ اگرچہ متعدد تخریبی قوتوں کا یہ عالم رہا ہے اور اب تک ہے کہ (غالب سے معذرت کے ساتھ):

آوارۂ غربت نتواں دید صنم را ''خواہم'' کہ دگر بتکدہ سازند حرم را

سو جب قرآن اور یہ خطۂ زمین ہمارے پاس محفوظ ہے تو ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ آج 14 اگست 2026ء نہیں بلکہ 14 اگست 1947ء ہے۔ لہٰذا اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ اگر آپ صحیح خطوط پر کچھ کرنا چاہتے ہیں تو اس کا نئے سرے سے آغاز کر دیجئے:

وقت آنست کہ آئین دگر تازہ کنیم لوح دل پاک بشوئیم و زسر تازہ کنیم

اور۔۔۔

تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

❁❁❁

علامہ پرویز علیہ الرحمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انقلابِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

(ماخوذ دنیا نظامِ محمدی ﷺ کے لئے بیتاب ہے از علامہ پرویزؒ)

علامہ اقبالؒ نے اپنے مجموعۂ خطبات کے پانچویں خطبہ میں رسول ﷺ کے اس فریضہ کو بڑی جامعیت سے واضح کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

فریضۂ رسالت ﷺ:

''محمد عربی ﷺ، فلک الافلاک کی بلندیوں پر پہنچ کر واپس تشریف لے آئے۔ خدا شاہد ہے کہ اگر میں اس مقام پر پہنچ جاتا تو کبھی واپس نہ آتا''۔ یہ الفاظ ایک بہت بڑے صوفی بزرگ (عبدالقدوس گنگوہیؒ) کے ہیں۔ تصوّف کے تمام لٹریچر میں ان جیسے اور الفاظ کا ملنا غالباً مشکل ہے، جو ایک فقرے کے اندر شعورِ نبوّت اور تصوّف کے اس قدر لطیف نفسیاتی فرق کو اس طرح واضح کر دیں۔ ایک صوفی اپنے انفرادی تجربہ کی تجردگاہ سے واپس آنا نہیں چاہتا اور جب واپس آتا بھی ہے (اس لئے کہ اسے واپس آنا پڑتا ہے) تو اس کی یہ مراجعت نوعِ انسانی کے لئے کچھ معنی نہیں رکھتی۔ اس کے برعکس، ایک نبی کی مراجعت تخلیقی مقصد کے لیے ہوتی ہے۔ وہ آتا ہے کہ زمانے کے طوفان پر تسلط پاکر تاریخ کی قوتوں کو اپنے قابو میں لے آئے اور اس طرح مقاصد کی ایک نئی دنیا تعمیر کر دے۔ ایک صوفی کے لئے اس کے انفرادی تجربہ کی تجردگاہ آخری مقام ہوتی ہے، لیکن ایک رسول کے دل میں اس سے زلزلہ انگیز نفسی قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں، جن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ تمام دنیائے انسانیت میں ایک انقلاب پیدا کریں۔ یہ آرزو کہ جو کچھ اس نے دیکھا ہے وہ ایک جیتی جاگتی دنیا کے پیکر میں متشکل ہو جائے، نبی کے دل میں پیش پیش ہوتی ہے۔ اسی لئے ایک صاحبِ وحی کے تجربہ کی قدر و قیمت جانچنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ دیکھا جائے کہ اس نے انسانیت کو جس قالب میں ڈھالا ہے، وہ کیسا ہے اور اس کے پیغام کی رُو سے جس قسم کی دنیائے ثقافت اُبھر کر سامنے آگئی ہے وہ کس انداز کی ہے۔''

میں اس وقت ان تفاصیل میں نہیں جانا چاہتا کہ تصوّف کی حقیقت کیا ہے اور جنہیں صوفی کے مقامات کہا جاتا ہے، ان کی ماہیت کیا۔ اس وقت صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ علامہ اقبالؒ نے جس فریضۂ رسالت کی وضاحت کی ہے، وہ کس قدر اہم ہے اور اس سے رسول، دیگر مصلحین، مبلغین اور واعظین سے کس قدر ممتاز اور منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے

اپنے اس عظیم فریضہ کو کس حسن وخوبی سے سرانجام دیا، کماحقہ، سمجھ میں نہیں آسکتا جب تک ہم یہ نہ دیکھیں کہ ظہورِ نبوی ﷺ کے وقت دُنیائے انسانیت کی حالت کیا تھی؟ اس کے لیے ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہنا چاہتے، ایک غیر مسلم محقق کی شہادت پیش کرنا کافی سمجھتے ہیں۔ (Denison) ایک ممتاز مؤرخِ تہذیب ہے۔ اس نے اپنی کتاب (Emotion as the Basis of Civilisation) میں اس زمانے کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

اس وقت (ظہور اسلام کے وقت) ایسا دکھائی دیتا تھا کہ تہذیب کا وہ قصرِ مشیّد جو چار ہزار سال میں جا کر تعمیر ہوا تھا، منہدم ہونے کے قریب پہنچ چکا ہے اور نوعِ انسانی پھر اس بربریت کی حالت کی طرف لوٹ جانے والی ہے جہاں ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے خون کا پیاسا تھا اور آئین وضوابط کو کوئی جانتا تک نہ تھا۔ قدیم قبائلی آئین اپنی قوت واحترام کھو چکے تھے، اس لئے اب ملوکیت کے اندازِ کُہن کا سکّہ دنیا میں نہیں چل سکتا تھا۔ عیسائیت نے جن آئین ودساتیر کو رائج کیا تھا، وہ نظم وضبط اور وحدت ویکجہتی کے بجائے تشتّت وافتراق اور ہلاکت وبربادی کا موجب بن رہے تھے۔ غرضیکہ وہ وقت آچکا تھا جب ہر طرف فساد ہی فساد نظر آتا تھا۔ تہذیب کا وہ بلند وبالا درخت جس کی سرسبز اور شاداب شاخیں کبھی ساری دنیا پر سایہ فگن تھیں اور آرٹ، سائنس اور لٹریچر کے زرّیں ثمرات سے بہرہ یاب ہو چکی تھیں، اب لڑکھڑا رہا تھا۔ عقیدت واحترام کی زندگی بخش نمی اس کے تنے سے خشک ہو چکی تھی اور وہ اندر تک سے بوسیدہ اور کھوکھلا ہو چکا تھا۔ سلسلۂ حرب وضرب کے طوفان نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے اور یہ ٹکڑے صرف رسوماتِ پارینہ کے بندھن سے ایک جگہ قائم تھے لیکن ان کے متعلّق ہر وقت خطرہ تھا کہ نہ معلوم کب گر پڑیں۔

اور اس کے بعد وہ کہتا ہے:

کیا ان حالات میں کوئی ایسا جذباتی کلچر کہیں سے پیدا کیا جا سکتا تھا جو نوعِ انسان کو ایک مرتبہ پھر ایک نقطہ پر جمع کر دیتا اور اس طرح تہذیب کو مٹنے سے بچا لیتا؟ اس کلچر کو بالکل نئے انداز کا ہونا چاہئے تھا، اس لئے کہ پرانی رسومات اور آئین وضوابط سب مردہ ہو چکے تھے اور انہی جیسے اور آئین کا مرتب کرنا صدیوں کا کام تھا۔

یہ امر موجبِ حیرت واستعجاب ہے کہ اس قسم کا نیا کلچر سرزمینِ عرب سے پیدا ہوا اور اس وقت پیدا ہوا جبکہ اس کی اشد ضرورت تھی۔

علامہ اقبالؒ نے عالمِ انسانیت کی اس حالت کو اپنے مخصوص انداز میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ:

بود انساں در جہاں انساں پرست ناکس و نابود مند و زیر دست
سطوتِ کسریٰ و قیصر رہزنش بند ہا در دست و پا و گردنش
کاہن و پاپا و سلطان و امیر بحرِ یک نخچیر، صد نخچیر گیر

مفہوم: اس دنیا میں انسان، انسان کی پوجا کیا کرتا تھا۔ وہ مَرا، مِٹا ہُوا اور غلامی کی زندگی بسر کرتا تھا۔ ایران اور روم جیسی بڑی سلطنتوں کے بادشاہ (انسانیت کے حق میں) ڈاکو تھے اور انہوں نے اس کے ہاتھ، پاؤں اور

گردن کو مضبوطی سے باندھا ہوا تھا کاہن، مذہبی پیشوا، حکمران اور امیر لشکر و فوج غرض شکار ایک (انسانیت) اور شکاری ہزاروں تھے۔ (م۔س۔ا)

محدّث دہلوی شاہؒ ولی اللہ نے اسی ضمن میں کہا تھا:

چونکہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں اقوام کے اندر معاشی و معاشرتی فسادات پیدا ہو چکے تھے اور ان کی اقتصادی زندگی سخت خراب ہو چکی تھی اس لئے حضور ﷺ کو ان خرابیوں کے استیصال کے لئے مبعوث فرمایا گیا اور آپ ﷺ کے ہاتھوں رومی اور ایرانی ملوکیتوں کو برباد کرایا (جو ان ناہمواریوں کا سرچشمہ تھیں) (تفہیماتِ الٰہیہ، جلد اوّل، ص:66)

عالمگیر رسالت:

یوں تو خدا کا ہر رسول اسی قسم کے انقلاب کا داعی ہوتا تھا، لیکن حضرات انبیائے علیہم السلام سابقہ اور حضور نبی اکرم ﷺ میں ایک بنیادی فرق ہے۔ ازمنۂ گذشتہ میں چونکہ آبادیاں محدود ہوتی تھیں اور وسائلِ مواصلات اور ذرائع رسل و رسائل عام نہیں تھے، اس لئے ایک رسول ﷺ کا دائرہ اثر و نفوذ ایک خاص خطۂ زمین تک محدود ہوتا تھا۔ لیکن حضور نبیٔ اکرم ﷺ کی بعثت ایسے زمانہ میں ہوئی جو عصرِ قدیم اور دورِ حاضرہ کے (درمیان) حدِّ فاصل تھا۔ اب دنیا کی آبادیوں نے محدود نہیں رہنا تھا، انہیں پھیل کر ایک عالمگیر معاشرہ بن جانا تھا۔ اس لئے حضورؐ کی بعثت نہ کسی خاص قوم کے لئے مخصوص تھی نہ کسی خاص خطۂ زمین تک محدود۔ حضور ﷺ تمام نوعِ انسان کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ سورہ الاعراف میں ہے قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ جَمِيۡعًا (7:158، 3:17، 3:79)۔ اے رسول! تم تمام نوعِ انسان کو مخاطب کر کے کہہ دو کہ میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ دوسری جگہ ہے۔ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا (34:28) ”اے رسول (ﷺ)! ہم نے تمہیں پُوری کی پُوری انسانیت کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔“ اس پُوری کی پُوری انسانیت سے مراد صرف حضور ﷺ کے زمانہ کا عالمِ انسانیت نہیں تھا بلکہ اس میں قیامت تک آنے والے انسان سب شامل تھے۔ سورۃ الجمعہ میں ہے کہ، ہم نے ان لوگوں کی طرف اپنا رسول بھیجا جن کی طرف رسول نہیں تھا، یہ ان کی طرف بھی رسول تھا وَّاٰخَرِيۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا يَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ‌ؕ (62:3) ”جو ان کے بعد آنے تھے۔“ ظاہر ہے کہ ان کے بعد آنے والوں میں تمام دنیا کے قیامت تک کے انسان شامل تھے۔ یہ وجہ ہے کہ قرآنِ کریم نے جہاں خدا کے متعلق کہا کہ وہ ”رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَۙ‏ ۱“ (1:1) ہے۔ اس کی کتاب کے متعلق کہا کہ وہ ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ (38:87) ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے متعلق کہا کہ آپ ﷺ ”رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ“ (21:107) ہیں اور اس کی شہادت یہ کہہ کر دی کہ جو کتاب اس رسول (ﷺ) کی طرف بھیجی گئی ہے وہ وَتَمَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدۡقًا وَّعَدۡلًا‌ ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ‌ ۚ (6:115) ”ہر طرح سے مکمل ہے، آخری کتاب ہے۔ غیر متبدل ہے اور اس میں کوئی بھی تبدیلی نہیں کر سکتا۔“ یہ اس کتاب کی خصوصیت تھی اور جو انقلاب اس کتاب کی رُو سے برپا ہونا تھا اس کی عالمگیریت کی طرف یہ کہہ کر (اشارہ) کر دیا کہ هُوَ الَّذِىۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَـقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ

كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ (61:9) ’’اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ضابطۂ ہدایت اور مبنی بر حقیقت نظام دے کر بھیجا تا کہ وہ نظام دیگر تمام نظام ہائے عالم پر غالب آجائے۔ خواہ یہ بات ان لوگوں پر کتنی ہی گراں کیوں نہ گذرے جو متفرق نظاموں کے تحت رہنا چاہتے ہیں۔ خدائے واحد کے نظامِ واحد کو پسند نہیں کرتے۔‘‘

انقلابِ محمدی ﷺ:

اس انقلاب کی وسعت حدود نا آشنا تھی، لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس کا آغاز بہرحال اس خطہ زمین سے ہونا تھا جس میں حضورؐ کی بعثت ہوئی تھی۔ اس انقلاب سے وہاں کس قسم کی تبدیلی رُونما ہوئی اس کے متعلق بھی ہم غیر مسلم مفکرین کی شہادات پیش کرنا زیادہ مناسب سمجھتے ہیں۔ (Pringle Kennedy) ہمارے دور کا ایک مشہور فلاسفر ہے۔ وہ لکھتا ہے:

’’چند ہی سال کے عرصہ میں یہ نقشہ کس طرح بدل گیا۔ کس طرح 650ء تک یہ دنیا اس دنیا سے یکسر مختلف ہوگئی جو اس سے پہلے تھی، نوعِ انسانی کی تاریخ میں یہ باب ایک نمایاں خصوصیت کا حامل ہے۔‘‘

(Arabian Society at the time of Muhammad P.18)

کارلائل اپنے مخصوص انداز میں لکھتا ہے:

’’عربوں کے لئے یہ انقلاب ایک نئی زندگی تھی جو انہیں تاریکی سے نُور کی طرف لے آئی تھی۔ عرب اس کے ذریعہ پہلی دفعہ زندہ ہوا۔ ایک ایسی قوم جو ابتدائے آفرینش سے گمنامی کے عالم میں ریوڑ چراتی پھرتی تھی، ان کی طرف ایک رسول آیا جو اپنے ساتھ ایک ایسا پیغام لایا جس پر وہ قوم ایمان لے آئی۔ وہ دیکھو! وہی گمنام چرواہے دنیا کی ممتاز ترین قوم بن گئے۔ وہ حقیر قوم ایک عظیم الشان ملت میں تبدیل ہوگئی۔ ایک صدی کے اندر اندر عرب ایک طرف غرناطہ اور دوسری طرف دہلی تک چھا گئے۔ اس کے بعد سینکڑوں برس ہو چکے ہیں کہ یہ اسی شان وشوکت اور درخشندگی وتابندگی سے کرۂ ارض کے ایک حصہ پر مسلّط ہیں (یہ سب ایمان کی حرارت سے ہوا)۔ ایمان بہت بڑی چیز ہے۔ ایمان ہی سے زندگی ملتی ہے۔ جونہی کسی قوم میں ایمان پیدا ہوا، اس قوم کی تاریخ، اعمال میں نتائج اور روح میں بالیدگی پیدا کرنے والی بن گئی۔

’’وہ عرب۔۔۔ یہ محمد ﷺ۔۔۔ اور ایک سو سال کا عرصہ! کیا یہ انقلاب ایسا ہی نہیں جیسے ریت کے کسی سیاہ گمنام ٹیلے پر آسمان سے بجلی کی لہر آ گرے اور وہ ریت کا تودہ دیکھتے ہی دیکھتے ایک آتش گیر مادے میں تبدیل ہو کر اس طرح بھک سے اُڑ جائے کہ دہلی سے غرناطہ تک اس کے شعلوں کی لپیٹ میں آجائے؟‘‘

’’نوعِ انسانی خشک نیستاں کی طرح ایک شرارہ کے انتظار میں تھی۔ وہ بجلی کا شرارہ اس بطلِ جلیل ﷺ کی صورت میں آسمان سے آیا اور تمام نوعِ انسانی کو شعلہ صفت بنا گیا۔‘‘

(Heroes and Hero Worship. Page:66)

ممتاز تاریخ دان گبن اس باب میں کہتا ہے:

''محمد ﷺ کا مذہب شک وابہام سے بالکل مبرّا ہے اور قرآن، خدا کی توحید کی درخشندہ شہادت، نبی عربی ﷺ نے بتوں، انسانوں اور اجرام ساوی کی پرستش کو اس بصیرت افروز دلیل کی بنا پر ردّ کر دیا کہ جو طلوع ہوتا ہے وہ غروب بھی ہوتا ہے۔ جو پیدا ہوتا ہے، وہ مرتا بھی ہے۔ جس کی بنیاد میں فساد ہے اس کا مال ہلاکت اور تباہی ہے۔ آپ کے دینی جوش اور ولولہ نے جو یکسر مبنی علی البصیرت تھا، خالقِ کائنات کی صورت میں، اس لا انتہا ذاتِ سرمدی کا اقرار کر کے اسے مرکزِ حمد وستائش قرار دے دیا، جو صورت اور مکان کی جہت سے بلند اور اولاد اور مثیل کی نسبتوں سے بالا تھی۔ وہ ذات جو ہمارے پوشیدہ خیالات تک میں موجود اور خود اپنی ذات سے قائم ہے، اور جس کے سر چشمہ سے عقل واخلاق کے جوہروں کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہ مسلکِ توحید اس قدر بلند ہے کہ ہماری موجودہ استعداد کی وہاں تک رسائی نہیں ہوسکتی۔

جو چیز ہمارے لئے سب سے زیادہ وجۂ حیرت ہے، وہ اسلام کی اس قدر جلد اشاعت نہیں، بلکہ یہ کہ اس کی تعلیم کس قدر ابدی حقائق پر مبنی ہے۔ وہی سادہ لیکن مکمل نقش جو محمد عربی ﷺ نے مکہ اور مدینہ میں انسانی قلوب پر تحریر کیا تھا اور جو ان بارہ صدیوں کے انقلاب کے باوجود ہندوستان سے افریقہ تک قرآن کے متبعین کے ہاں محفوظ چلا آتا ہے۔ مسلمانوں نے اپنے مذہب اور عقیدہ کے مقصود کو عام انسانی حواس وتخیل کی سطح پر اُترنے نہیں دیا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ. اسلام کا نہایت سادہ اور غیر متبدّل عقیدہ ہے۔ ان کا خدائی تصوّر کبھی بھی مرئی ہستیوں کا شرمندہ نہیں ہوسکا۔ رسول اللہ ﷺ کا درجہ کبھی بشریت کی حد سے تجاوز نہیں کر سکا۔ ان کی زندہ تعلیمات نے ان کے متبعین کے جذباتِ عقیدت کو دین ودانش کے حدود سے باہر نہیں جانے دیا۔ یہ ہے اسلام کی سادہ اور ابدی تعلیم۔ (Gibbon-Decline & Fall of Roman Empire Page: 287 & 352)

اور بریفا کہتا ہے:

''یورپ کی نشاۃِ ثانیہ پندرہویں صدی میں نہیں ہوئی، بلکہ اس وقت ہوئی جب یورپ عربوں کے کلچر سے متاثر ہوا۔ یورپ کی خلقتِ جدیدہ کا گہوارہ اٹلی نہیں، بلکہ اُندلس ہے۔ اِدھر روما کی تہذیب، گرتے گرتے، بربریت کی حد تک پہنچ چکی تھی اور اُدھر دنیائے اسلام (بغداد، قرطبہ، قاہرہ) تہذیب وذہنی تحریکات کے مرکز بن رہے تھے۔ ان ہی شہروں میں وہ نئی زندگی نمودار ہوئی جسے انسانی ارتقاء میں ایک نئے باب کا اضافہ کرنا تھا۔ جس وقت یہ نئی تہذیب محسوس طور پر سامنے آئی، دنیا حیاتِ نو سے شناسا ہوئی۔۔۔ اگر عرب نہ ہوتے تو یورپ کی تہذیب کا وجود عمل میں نہ آتا۔ ان کے بغیر یہ یقیناً اس خصوصیت کو حاصل نہ کر سکتا تھا، جس نے اسے ارتقائی مراحل میں بلند ترین سطح پر لا کھڑا کیا ہے۔ مغربی کلچر میں کوئی ایسا شعبہ نہیں جس میں عربی ثقافت کا رنگ نہ جھلکتا ہو۔ لیکن ایک شعبہ تو ایسا ہے

جس میں یہ اثر بالکل نکھر کر سامنے آجاتا ہے اور یہی وہ شعبہ ہے جو درحقیقت عصرِ حاضر کی حقیقی قوت کا باعث اور اس کی فتوحات کا ذریعہ ہے۔ یعنی علم الاشیاء۔۔۔ سائنس کی روح!۔ ہماری سائنس صرف اسی حد تک عربوں کی رہین منّت نہیں کہ انہوں نے ہمیں عجیب وغریب نظریات وانکشافات سے روشناس کرایا نہیں! بلکہ ہماری سائنس کا وجود ہی ان کا شرمندہ احسان ہے۔ اسلام سے پہلے کی دنیا، درحقیقت زمانۂ قبل از سائنس (Pre-Scientific Age) ہے۔ پندرہویں صدی تک یورپ انہی علوم وفنون کو اپنا تا رہا جو اُسے مسلمانوں نے دیئے تھے، اس پر کوئی اضافہ نہ کر سکا۔۔۔ جب اُندلس میں تہذیب وثقافت نے پھر تاریکیوں کی چادر اوڑھ لی تو یورپ میں وہ جِن نمودار ہوا جسے اُندلس کی سرزمین نے پیدا کیا تھا۔ یورپ کو زندگی (صرف) سائنس نے دی۔ اسلام کے گونا گوں اثرات اس کی حرارت کا موجب ہے۔" (Briffult - Making of Humanity)

ہم چاہتے تو اس باب میں اس قسم کی بیسیوں اور شہادات بھی پیش کی جا سکتی تھیں لیکن ہم سرِ دست انہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کے بعد ہمیں خود اپنے زمانہ کی طرف آنا ہے تا کہ یہ دیکھا جائے کہ دنیا اس نظام کے احیاء کے لئے کس قدر تڑپ رہی ہے جو سرزمینِ عرب میں قائم ہوا تھا۔

اس کے بعد؟:

حضور نبی اکرم ﷺ کے ہاتھوں اس عظیم انقلاب کی بنیاد رکھی گئی اور حضور ﷺ کے سچے جانشینوں نے اس عمارت کو استوار کیا۔ ان کے بعد آنے والوں نے اپنی مساعی کا رُخ دوسری طرف موڑ دیا، جس سے دین، مذہب میں بدل گیا اور اس انقلاب کی وہ شکل بھی باقی نہ رہی۔ میں اس حقیقت کو بار بار وضاحت سے بیان کر چکا ہوں کہ نظامِ خداوندی جن قوانین کی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے وہ ازلی اور ابدی ہیں اور فطرت کے قوانین کی طرح ہر وقت کارفرما رہتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ جس وقت کوئی ایسی جماعت پیدا ہوتی ہے جو اس نظام کو عملاً متشکل کرنے کا تہیہ کرتی ہے، وہ قوانین چند دنوں میں محسوس نظام کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ لیکن اگر ایسی جماعت باقی نہیں رہتی تو پھر وہ اپنی رفتار سے غیر محسوس طور پر آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں، لیکن یہ رفتار بڑی سست ہوتی ہے۔ قرآن کے بیان کے مطابق خدا کا ایک ایک دن ہزار ہزار بلکہ پچاس پچاس ہزار سال کا ہوتا ہے۔ ان قوانین کے اپنے رفتار سے کارفرما رہنے کا انداز یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی فکر اور عقل کی رُو سے اپنے لئے ایک نظامِ زندگی متعین اور متشکل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن اس کے نتائج بتاتے ہیں کہ وہ نظام وجۂ اطمینان نہیں ہوسکتا۔ پھر وہ اسے چھوڑتا ہے اور کوئی دوسرا نظام وضع کرتا ہے۔ انہی تجرباتی طریقوں سے وہ آگے بڑھتا جاتا ہے اور تاریخ اس پر شاہد ہے کہ جب وہ کسی نظام کو کسی حد تک بھی اپنے لئے قابلِ اطمینان پاتا ہے تو اس نظام کا رُخ اسی منزل کی طرف ہوتا ہے جسے قرآنِ کریم نے عالمگیر انسانیت کے لئے تجویز کیا ہے۔ اس وقت دنیا میں ایک ہمہ گیر شورش برپا ہے۔ انسانوں نے اپنے تجرباتی طریق کی رُو سے صدیوں کے منازل طے کرنے کے بعد اس وقت جو نظام وضع کئے ہیں وہ انہیں قابلِ اطمینان نہیں پا رہا اور کسی ایسے نظام کے لئے تڑپ رہا ہے جو اس کے لئے وجہ سکون اور باعثِ فلاح وفوز بن سکے۔

علامہ پرویز علیہ الرحمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بتقریب یومِ پاکستان 1983ء بسلسلہ قراردادِ پاکستان 23 مارچ 1940ء

جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں!

(عزمِ بلند کا پیکرِ آہنی ۔۔۔ قائداعظمؒ)

عزیزانِ گرامی قدر! سلام ورحمت۔

آج ہم جس تقریب کے سلسلے میں شریک درس ہوئے ہیں، اسے عام طور پر ''یومِ پاکستان'' کہا جاتا ہے۔ اس دن (یعنی 23 مارچ 1940ء کو) قوم نے اسی لاہور میں، اس مقام پر جہاں اب ''مینارِ پاکستان سربفلک ایستادہ ہے'' ایک۔۔۔۔ ریزولیوشن پاس کیا تھا۔ ریزولیوشن کا اصطلاحی ترجمہ تو ''قرارداد'' کیا جاتا ہے لیکن اس کا صحیح مفہوم عزمِ راسخ ہے۔ اس اعتبار سے اس دن قوم نے اپنے ایک عزم کا اظہار کیا تھا اور وہ عزم یہ تھا کہ ہم ایک ایسا خطہ زمین حاصل کریں گے جس میں قرآن کریم کی حدود و قیود کے مطابق اسلامی مملکت قائم ہوگی۔ کسی مقصد کے حصول کے لئے شرطِ اولیں عزم ہوتا ہے۔ جس قدر عظیم اور بلند وہ مقصد ہوگا اسی قدر محکم اور صمیم وہ عزم ہوگا۔ یوم پاکستان کو جس مقصد کے حصول کے لئے اظہارِ عزم کیا گیا تھا، مسلمان کی زندگی میں اس سے زیادہ بلند کوئی مقصد ہو نہیں سکتا۔ یعنی منشائے ایزدی کے مطابق ایک مملکت یا نظام کا قیام۔

عزم یا ارادے کی بنیاد اپنے مقصدِ پیشِ نظر کی صداقت پر یقینِ محکم ہوتی ہے۔ جس قدر یقین پختہ اور محکم ہوگا، اسی قدر اس کے حصول کے لئے عزم، راسخ اور استوار ہوگا۔ قرآن کریم نے مردانِ مومن کے مقاصدِ حیات میں عزم کو بنیادی اہمیت دی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ حضراتِ انبیاء کرامؑ کو ان کے مشن میں جو کامیابی ہوئی تو اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ وہ اولوالعزم تھے۔ اسی کی تلقین حضور نبی اکرم ﷺ کو کی گئی جب کہا کہ: فَاصۡبِرۡ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الۡعَزۡمِ مِنَ الرُّسُلِ (46:35)۔ کشمکشِ حق و باطل میں پیش آمدہ مشکلات کے مقابلہ کے لئے اس طرح ثابت قدم رہو جس طرح انبیاء سابقہ ثابت قدم رہے

تھے کیونکہ وہ صاحبانِ عزم تھے۔ ان کے ارادے بڑے پختہ تھے۔ دوسری طرف کہا کہ ''آدم'' سے جنت اس لئے چھن گئی کہ: وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ (20:115)۔ اس کا عزم راسخ نہیں تھا۔

قوموں کی زندگی کا راز بھی اس یقینِ محکم میں ہے جس کا لازمی نتیجہ عزمِ صمیم ہوتا ہے۔ جس قوم کے یقین میں تزلزل واقع ہوجائے اس کا عزم بھی محکم نہیں رہتا اور جب عزم محکم نہ رہے تو پھر کسی مقصد میں کامیابی نہیں ہوسکتی۔ اقبالؒ کے الفاظ میں ؎

یقیں مثلِ خلیلؑ آتش نشینی یقیں اللہ مستی، خود گزینی
سن اے تہذیب حاضر کے گرفتار غلامی سے بتر ہے بے یقینی

وہ امت کی زبوں حالی کا ماتم کرتے ہوئے کہتے تھے کہ

نگہبانِ حرم معمارِ دَیر است یقینش مردہ و چشمش بغیر است
تو اندازِ نگاہِ او تواں دید کہ نو مید از ہمہ اسبابِ خیر است

وہ مسلمان سے کہتے تھے کہ

خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو زباں تو ہے یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تو ہے

یقین کا دوسرا نام ایمان ہے اور یہی وہ نورانی شمع ہے جس سے انسانی زندگی کے تمام راستے روشن ہوتے چلے جاتے ہیں۔

گماں آبادِ ہستی میں یقیں مردِ مسلماں کا بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی!

اُمتِ مسلمہ کو جو کچھ حاصل ہوا تھا اسی یقینِ کامل اور ایمانِ محکم کا تصدق تھا۔

ولایت، پادشاہی، علمِ اشیا کی جہانگیری یہ سب کیا ہیں؟ فقط اک نکتۂ ایماں کی تفسیریں

اس سے قوم کو جو قوت حاصل ہوتی ہے، اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زورِ بازو کا نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اللہ تعالیٰ نے جماعتِ مومنین کو جو پروگرام دینا تھا اسے اپنی کتاب کے اوراق میں مکمل اور محفوظ کرنے کے بعد، آخری دو سورتوں میں اسے متنبہ کیا کہ اسے کون کون سے خطرات کی طرف سے محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ ان میں سرفہرست تھا۔ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ﴿۴﴾ (113:4)۔ ان جماعتوں کی طرف سے پیدا کردہ شر جو دلوں میں وسوسے پیدا کرکے تمہارے عزمِ راسخ کو متزلزل کرنے کی کوشش کریں۔

ان تصریحات سے واضح ہے کہ قوموں کی زندگی میں عزم راسخ کو کس قدر اہمیت حاصل ہے۔ یہی عزم راسخ تھا جس

کا اظہار ہماری قوم نے یومِ پاکستان کو کیا تھا لیکن قوم کا یہ عزم درحقیقت آئینہ تھا اس کے قائد کے اس عزم بلند کا جس کا مظاہرہ اس نے اس جہدِ مسلسل میں قدم قدم پر کیا۔ جس کے بل بوتے پر اس نے انگریز، ہندو اور خود پاکستان کے مخالف مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑی اور چاروں طرف سے مشکلات کے ہجوم اور تصادمات کے انبوہ میں گھرنے کے باوجود وہ کامیابی حاصل کی جس کی مثال تاریخ عالم میں کم ملے گی۔ میں آج کی نشست میں قائداعظمؒ کے اس عزمِ بلند کی کچھ مثالیں پیش کروں گا۔

☆......☆......☆

جناح کی وطن واپسی:

جیسا کہ معلوم ہے، قائداعظمؒ (یا یوں کہیئے کہ مسٹر جناحؒ) نے اپنی زندگی کا (پہلا) حصہ نیشنلزم کے مسلک کی تائید اور ترویج کی جدوجہد میں بسر کیا۔ نیشنلزم سے مراد تھی۔ ہندوستان میں بسنے والے تمام باشندوں پر مشتمل (بلالحاظ مذہب وملت) متحدہ قومیت کی تشکیل۔ اس مقصد کے حصول کے لئے، سالہا سال کی کدوکاوش میں ناکامی کے بعد وہ سیاست سے اس قدر بددل ہوگئے کہ انہوں نے وطن کو خیر باد کہہ دیا اور انگلستان جا کر مقیم ہوگئے۔ یہ 1930ء کی بات ہے۔ ان کا ارادہ مستقل طور پر وہیں سکونت پذیر ہوجانے کا تھا۔ چنانچہ انہوں نے وہاں اپنے لئے ایک مکان بھی خرید لیا تھا۔ اسے حسنِ اتفاق کہئے یا قوم کی خوش بختی کہ علامہ اقبالؒ 1932ء میں راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے سلسلہ میں لندن تشریف لے گئے تو مسٹر جناحؒ کے ساتھ ان کے روابط قائم ہوئے اور انہیں ایک دوسرے کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ علامہ اقبالؒ کی نگہِ جو ہر شناس اور دوررس نے جلد بھانپ لیا کہ ہندی مسلمانوں کی کشتی جس سیاسی بھنور میں پھنسی ہوئی ہے، اسے وہاں سے جناحؒ کے پتوار ہی نکال سکتے ہیں لیکن (اس وقت) ان دونوں کے مقاصد اور مسالک میں جو اختلاف ہی نہیں، جو تضاد اور تصادم تھا وہ واضح تھا لیکن اقبالؒ کی بلندنگہی اور جناحؒ کی کشادہ قلبی نے ایسا انقلابی اثر پیدا کیا کہ جناحؒ، اقبالؒ کا ہمرنگ وہم نوا ہوکر 1934ء کے اواخر (یا 1935ء کے اوائل) میں وطن واپس آ گیا اور یہاں سے ان کی نئی زندگی کا آغاز ہوا۔ اس میں قدمِ اول، مسلمانوں کے جداگانہ قومی تشخص کا اثبات تھا۔

1937ء کے الیکشن:

اس وقت ہندوستان کے مسلمان اس قدر مختلف ٹکڑوں میں بٹے ہوئے تھے کہ ان کی الگ، مستقل قومیت کا تعین تو ایک طرف، انہیں کسی ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا بھی ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ لیکن جب قائداعظمؒ نے اس کا عزم کرلیا تو پھر ان کے

راستے میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوسکتی تھی۔ اس کے لئے انہوں نے اپنی جدوجہد کا آغاز کردیا اور اس کے عملی مظاہرہ کا موقعہ بہت جلد آ گیا۔ 1935ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے تحت' جداگانہ انتخابات کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ ہندی مسلمانوں کی حیاتِ اجتماعیہ میں بڑا اہم اور نازک مقام تھا۔ اسے ان کی جداگانہ قومیت کا معیار قرار پانا تھا۔ اس کے لئے قائداعظمؒ نے سنٹرل پارلیمانی الیکشن بورڈ کی تشکیل کی۔ اس بورڈ میں مسلمانوں کی جس قدر مختلف الخیال جماعتوں کے نمائندگان شریک تھے' تاریخ کا طالب علم یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ قائداعظمؒ نے اس قدر مختصر سی مدت میں ان متضاد عناصر کو یکجا کس طرح کرلیا تھا؟ (مولانا) ظفرعلی خان کی اتحادِ ملت پارٹی کے بالمقابل مجلسِ احرار' جن میں آگ اور پانی کا بیر تھا۔ دوسری طرف مسلم لیگ کے بالمقابل جمیعت العلماء ہند کے سربرآوردہ نمائندگان مثل مولانا حسین احمد مدنی' مفتی کفایت اللہ' مولانا احمد سعید۔ اس وقت حالات کس قدر نامساعد تھے اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگایئے کہ مسئلہ یہ درپیش تھا کہ 8 جون 1936ء کو ہونے والے "مسلم لیگ کونسل اور پارلیمانی بورڈ کے" اجلاس کس جگہ منعقد ہوں۔ اسلامیہ کالج کا حبیبیہ ہال اس کے لئے موزوں خیال کیا گیا۔ اسلامیہ کالج اس انجمن حمایت اسلام کا تعلیمی ادارہ تھا جس کے استحکام اور فروغ میں علامہ اقبالؒ کے خونِ جگر کا معتد بہ حصہ تھا۔ علامہؒ نے اس کی اجازت کے لئے' انجمن کے اس زمانہ کے صدر نواب مظفرخان کے پاس اپنا آدمی بھیجا' اور (تاریخ اس سانحہ کو کبھی فراموش نہیں کرسکے گی کہ) انہوں نے اجازت دینے سے انکار کردیا اور یہ اجلاس مجبوراً برکت علی محمڈن ہال میں منعقد ہوئے۔

(اقبال کے آخری دوسال (عاشق حسین بٹالوی' ص 304) لیکن مسٹر جمیل الدین احمد نے کہا ہے کہ یہ اجلاس پہلے میاں عبدالعزیز کے مکان پر اور پھر نیڈو ہوٹل میں منعقد ہوئے تھے۔ Middle Phase of Muslim Political (Movement.-P.160

پارلیمانی الیکشن بورڈ

قائداعظمؒ کے عزم کو متزلزل کرنے کے لئے یہی دھچکا کچھ کم نہ تھا کہ اس کے بعد دھاکے پر دھماکے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سب سے پہلے مولانا ظفرعلی خان اور ان کے ساتھی' پارلیمانی بورڈ سے مستعفی ہوگئے۔ اس کے بعد جمعیت العلماء کی باری آئی۔ یہ حضرات کس بنا پر الگ ہوئے' اس کے متعلق مرزا ابوالحسن اصفہانی نے (جن کا ابھی پچھلے سال انتقال ہوا ہے) اپنی (نہایت پُرعقیدت) کتاب (Qaid-e-Azam, As I Knew Him) میں بڑے تاسف انگیز اور حسرت آمیز انداز میں لکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

پارلیمانی بورڈ کے اجلاس میں بہت سی تقریریں ہوئیں۔ پہلے روز مفتی کفایت اللہ اور مولانا حسین احمد مدنی نے اپنی تقریروں میں مسٹر جناحؒ کی حمایت کرتے ہوئے اس بات کا خیر مقدم کیا کہ انہوں نے مسلم لیگ کو زندہ اور فعال سیاسی میدان میں داخل کر دیا ہے لیکن آخری روز انہی میں سے ایک نے تجویز پیش کی کہ چونکہ لیگ کو کامیاب کرانے کے لئے پراپیگنڈے کی مہم کا بڑی خوش اسلوبی اور سرگرمی سے چلانا ضروری ہے، ہمارا خیال ہے کہ دیوبند کو اس پراپیگنڈے کا مرکز بنا دیا جائے بشرطیکہ اس مہم کا تمام خرچ لیگ برداشت کرے۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ پروپیگنڈہ کی اس مہم کا آغاز کرنے کے لئے پچاس ہزار روپے کی ضرورت ہوگی۔ (ص23)

پچاس ہزار روپے کے عوض

اس کے بعد اصفہانی (مرحوم) کہتے ہیں کہ، اس وقت لیگ کے خزانہ میں پچاس ہزار روپیہ تو ایک طرف، پچاس پیسے بھی نہیں تھے اور ان مولانا حضرات کو اس کا بخوبی علم تھا۔ قائداعظمؒ نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی اور کہا کہ اس وقت ہمیں خلوصِ نیت سے کام کا آغاز کر دینا چاہئے۔ جب قوم میں اس کا احساس پیدا ہو گیا کہ ہمارا موقف حق پر مبنی ہے تو روپے کی کمی نہیں رہے گی۔ لیکن یہ حضرات اس سے مطمئن نہ ہوئے اور مسلم لیگ کو چھوڑ کر کانگریس سے جا ملے اور پھر بقایا ساری عمر اس پروپیگنڈہ کے لئے وقف کر دی کہ جناحؒ اور مسلم لیگ کا نظریہ اور مسلک غیر اسلامی ہے اور ہندو کا موقف ''عین مطابقِ اسلام''! (یاللعجب) پچاس ہزار روپے میں، کفر اسلام ہو گیا اور اسلام کفر۔ اقبالؒ کے الفاظ میں ؎

قومے فروختند و چہ ارزاں فروختند!

اس ارزاں فروشی کا اندازہ اس خط سے لگایئے جو پنڈت جواہر لعل نہرو نے 5 جولائی 1937ء کو جھانسی کے بائی الیکشن کے سلسلہ میں، مسٹر رفیع احمد قدوائی (مرحوم) کو لکھا تھا۔ اس میں انہوں نے کہا تھا:

> جہاں تک کارکنوں کا تعلق ہے وہ باہر سے بھیجے جا چکے ہیں اور ابوالکلام آزاد نے اس کی بابت حسین احمد مدنی اور بشیر احمد کو مطلع بھی کر دیا ہے اور احمد سعید کو تار بھی دے دیا ہے۔ انہیں سفر خرچ دینا چاہئے۔ ہم کوشش کریں گے کہ مالی امداد بھی فراہم کی جائے۔ اس سلسلہ میں سات سو روپیہ پہلے ہی دیا جا چکا ہے۔

(Jamil-ud-Din Ahmad, Middle Phase of Muslim Political Movement. P-201)

یہ تھی قیمت دو قومی نظریہ کو خلاف اسلام اور متحدہ قومیت کو عین مطابق اسلام قرار دینے کی!

بورڈ سے علیحدگی:

اس کے بعد احرار پارٹی کی باری آئی۔ یونینسٹ پارٹی کے سرفضل حسین (مرحوم) نے مشہور کر دیا کہ مسٹر جناح نے بمبئی کے تاجروں اور راجہ محمود آباد سے پارلیمانی بورڈ کے لئے کئی لاکھ روپے حاصل کئے ہیں۔ اس سے احرار کے چودھری افضل حق اور مولانا حبیب الرحمن وغیرہ اس مغالطہ میں مبتلا ہو گئے کہ اس فنڈ میں سے کم از کم ایک لاکھ روپیہ ان کے حصے میں ضرور آئے گا لیکن پارلیمانی بورڈ نے اس کے برعکس یہ شرط عائد کر دی کہ جس امیدوار کو لیگ کا ٹکٹ دیا جائے گا اسے پانچ سو روپیہ بورڈ کے فنڈ میں جمع کرانا ہوگا۔ اس سے ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا اور وہ بھی مسلم لیگ سے علیحدہ ہو گئے۔ (عاشق حسین بٹالوی' ص326)۔ اور پھر بقایا عمر جناحؒ کو کافر قرار دینے کے ''جہاد'' میں گزار دی!

پنجاب میں یہ کچھ ہو رہا تھا تو مسلم لیگ کے مرکزی بورڈ میں حالات اس سے بھی زیادہ مایوس کن تھے۔ یو۔پی سے نواب چھتاری۔ سر محمد یوسف اور نواب زادہ لیاقت علی خان نے بورڈ سے استعفیٰ دے دیا اور مسلم لیگ کے بجائے نیشنل ایگریکلچرل پارٹی کے ٹکٹ پر الیکشن لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ یاد رہے کہ نواب زادہ لیاقت علی خان کو ابھی چند ماہ قبل آل انڈیا مسلم لیگ کا سیکرٹری منتخب کیا گیا تھا۔ یہ پارٹی کس قسم کی تھی اور ان حضرات کا خمیر کس قسم کی مٹی سے اٹھا تھا۔ اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ جب نواب چھتاری نے' یو۔پی کے گورنر کو ان ناموں کی فہرست بھیجی جنہیں پارلیمانی بورڈ میں شامل کیا جانا مطلوب تھا تو گورنر صاحب اس پر سخت برافروختہ ہوئے اور نواب صاحب نے معافیاں مانگتے ہوئے وہ فہرست واپس لے لی اور۔۔۔ اپنے رفقاء سمیت پارلیمانی بورڈ سے علیحدگی اختیار کر لی۔ (شریف المجاہد صاحب' روزنامہ پاکستان ٹائمز' مورخہ 23 مارچ 1981ء) بہار سے سید حسین امام اور سید عبدالعزیز نے بھی بورڈ سے استعفیٰ دے دیا۔ بنگال میں مولوی فضل الحق نے لیگ سے الگ ہو کر نہ صرف اپنی جداگانہ پارٹی۔۔۔ کرشک پروجا پارٹی۔۔۔ تشکیل کر لی بلکہ لیگ کے خلاف سب وشتم کا افسوس ناک سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ (عاشق حسین بٹالوی' ''اقبال کے آخری دو سال'' ص352-342)۔

پنجاب سے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر صرف دو امیدوار کامیاب ہوئے۔ یعنی ملک برکت علی اور راجہ غضنفر علی خان۔ راجہ صاحب (مرحوم) اس کامیابی کے بعد سیدھے یونینسٹ پارٹی کے جلسے میں پہنچے اور جاتے ہی اعلان کر دیا کہ وہ مسلم لیگ کو چھوڑ کر' یونینسٹ پارٹی میں شریک ہو گئے ہیں۔ سر سکندر حیات نے ان کا استقبال کرتے ہوئے جو تقریر کی اس میں انہوں نے فرمایا کہ:

> راجہ صاحب میری مرضی اور میرے ایما سے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کھڑے ہوئے تھے لیکن انہوں نے شروع ہی سے میرے ساتھ وعدہ کر رکھا تھا کہ الیکشن میں کامیاب ہونے کے فوری بعد یونینسٹ پارٹی میں شریک

ہو جائیں گے۔ (عاشق حسین بٹالوی۔ ’’اقبال کے آخری دو سال‘‘۔ ص 352-342)

مجھے عزیزانِ من! آج (پچاس سال کے بعد) ان گڑے مردوں کو اکھاڑنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن (چونکہ تحریکِ پاکستان کی کوئی مستند تاریخ مرتب نہیں ہوئی) میں سمجھتا ہوں کہ ہماری نئی نسل کو (جس نے وہ دور دیکھا ہی نہیں) یہ بتانے کی اشد ضرورت ہے کہ وہ کیا حالات تھے جن میں قائداعظمؒ نے اس مہم کا آغاز کیا تھا اور وہ کس قسم کے ’’رفقا‘‘ تھے جن کے ساتھ آپ کو پالا پڑا تھا! آپ سوچیے کہ اگر قائداعظمؒ کے سوا کوئی لیڈر بھی ہوتا تو وہ ان حالات سے بددل ہو کر مسلمانوں کے سیاسی میدان کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ چھاڑ الگ ہو جاتا لیکن یہ قائداعظمؒ کا عزمِ راسخ تھا جس نے ایسے نامساعد حالات اور اس قسم کی ہمت شکن مایوسیوں کا کوئی اثر نہ لیا اور کامل استقامت اور استقلال اور پوری دل جمعی اور سکونِ قلبی کے ساتھ اس وادیٔ پُرخار میں مردانہ وار آگے بڑھتے چلے گئے۔ اتنا ہی نہیں کہ وہ آگے بڑھتے گئے بلکہ ان کے حوصلے اور بھی بلند اور ان کی جرأتیں اور بھی بے باک ہو گئیں۔ (مثلاً) انہوں نے مارچ 1939ء میں مرکزی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے للکار کر کہا تھا کہ:

> میں انگریز اور ہندو دونوں کو متنبہ کر دینا چاہتا ہوں کہ تم الگ الگ یا دونوں متفق ہو کر بھی ہماری روح کو فنا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔ نہ تم اس تہذیب کو مٹا سکو گے جو ہمیں ورثہ میں ملی ہے۔ ہمارا نورِ ایمان زندہ ہے۔ زندہ رہا ہے۔ اور زندہ رہے گا۔ تم ہم پر ظلم و ستم کرو۔ ہمارے ساتھ بدترین سلوک کرو۔ ہم ایک فیصلہ پر پہنچ چکے ہیں اور ہم نے یہ عزم کر لیا ہے کہ ہم لڑتے لڑتے مرجائیں گے۔

اس سے بھی چند ماہ پہلے سندھ مسلم لیگ کی سالانہ کانفرنس (منعقدہ اکتوبر 1938ء) میں کہا کہ:

> برطانیہ، ہندوستان کے مسلمانوں کو بھیڑیوں کے حوالے کرنا چاہتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ برطانیہ سے وہی بازی لے جا سکتا ہے جس کے پاس قوت ہو، لیکن ہم برطانیہ اور ہندو دونوں سے لڑیں گے۔

سچ ہے۔

مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

کفر کے فتوے

لیکن اس جہاد میں ہندو کی تیغ و سناں اور انگریز کی توپ و تفنگ سے کہیں زیادہ جگر پاش اور دل خراش ہمارے محافظانِ دینِ مبین کے کفر کے فتوؤں کے تیر و تبر تھے۔ انہی مولانا مدنی (مرحوم) نے جو پچاس ہزار روپیہ نہ ملنے پر لیگ سے الگ ہو کر

کانگریس کی آغوش میں جا بیٹھے تھے۔ فتویٰ صادر فرمادیا کہ:

مسلم لیگ میں مسلمانوں کی شرکت حرام ہے اور قائداعظم کافرِ اعظم ہے۔ (تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء، ص 1012)

اور اس مجلس احرار کے ایک ممتاز لیڈر (مولانا) مظہر علی اظہر نے، جس نے پانچ سو روپے پر لیگ کا ساتھ چھوڑا تھا، قائداعظمؒ کی شادی کے سلسلہ میں ایک سراسر غلط اتہام لگاتے ہوئے کہا تھا کہ:

اک کافرہ کے واسطے اسلام کو چھوڑا۔ یہ قائداعظم ہے کہ ہے کافرِ اعظم (معاذ اللہ)۔

اور خود مجلسِ احرار نے اپنی ایک قرارداد میں کہا تھا کہ:

یہ اجلاس ایک بار پھر اعلان کرتا ہے کہ مسلم لیگ کی قیادت عظمیٰ غیر اسلامی ہے۔

دوسری طرف سے آواز آتی تھی کہ:

بحکم شریعت مسٹر جینا اپنے عقائدِ کفریہ 'قطعیہ' یقینیہ کی بنا پر قطعاً مرتد اور خارج از اسلام ہے اور جو شخص اس کے کفروں پر مطلع ہونے کے بعد اس کو مسلمان جانے یا اسے کافر نہ مانے یا اس کے کافر و مرتد ہونے میں شک رکھے یا اس کو کافر کہنے میں توقف کرے وہ بھی کافر و مرتد اور شرالعائم ہے اور بے توبہ مرے تو مستحق لعنتِ عزیز علام؟ (فرقہ بریلوی کی کتاب منجانب اہل سنۃ عن اہل الفتنۃ ۔ص 122)

لیکن قائداعظمؒ پر ان فتوؤں کا کچھ اثر نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے کہ ایک تو وہ جانتے تھے کہ یہ حضرات ان سے کتنے پیسوں کا انتقام لے رہے ہیں۔ (اے کاش! اُس وقت لیگ کے پاس پچاس ساٹھ ہزار روپیہ بھی ہوتا تو تحریکِ پاکستان کا نقشہ کچھ اور ہوتا اور مملکتِ پاکستان کا رنگ بھی کچھ اور۔ بعض اوقات کتنے چھوٹے چھوٹے واقعات تاریخ کا رُخ بدل دیتے ہیں!) اور دوسرے انہیں اس کا بھی علم تھا کہ ان کے فتوے بدلتے کس آسانی سے ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ جب کانگریس نے ترکِ موالات کا ریزولیوشن پاس کیا تو جمیعۃ العلماء نے بھی قرآن و حدیث کی بنا پر ترکِ موالات کا فتویٰ دے دیا۔ پھر حالات بدلے۔ اور سی۔ آر۔ داس اور موتی لال نہرو نے کونسلوں کے مقاطعہ کی شرط اٹھا دی تو انہی مولوی صاحبان نے پہلا فتویٰ منسوخ کر کے کونسلوں میں داخلے کو جائز قرار دے دیا۔ 1927ء میں انہی مولویوں کو کانگریس سے کچھ ذاتی پرخاش ہوئی تو جھٹ آغا خان اور سر شفیع کی قیادت قبول کر کے جداگانہ انتخاب کی حمایت اور نہرو رپورٹ کی مخالفت کا نیا فتویٰ صادر کر دیا۔ (ہماری قومی جدوجہد 1938ء، عاشق حسین بٹالوی، ص 70)۔

☆......☆......☆

مخالفین یہ حربے استعمال کر رہے تھے اور جناحؒ کا یقینِ محکم اور عزمِ راسخ اُسے ان غوغا آرائیوں سے بے نیاز' جانبِ منزل رواں دواں لئے چلا جا رہا تھا۔

بنگر کہ جوئے آب چہ مستانہ می رود مانندِ کہکشاں بگریبانِ مرغزار

وا کردہ سینہ را بہ ہوا ہائے شرق و غرب در برگرفتہ ہمسفرانِ زبون و زار

زی بحرِ بیکرانہ چہ مستانہ می رود

در خود یگانہ' از ہمہ بیگانہ می رود

(پیامِ مشرق' ص 151)

1937ء کے انتخابات کے نہایت تلخ و یاس انگیز تجربات کے بعد قائداعظمؒ کے ناقابلِ شکست عزم نے اس تجویز پر صاد کیا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس (اپریل 1938ء میں) اسی لاہور میں منعقد کیا جائے۔ علامہ اقبالؒ کو اس سے بڑی مسرت ہوئی۔ شاید وہ (غیر شعوری طور پر) اپنے 1930ء کے خواب کی محسوس تعبیر کا پُر کیف نظارہ اپنی آنکھوں سے کرنا چاہتے تھے۔ لیکن سر سکندر حیات اور اس زمانہ کے خود پراونشل مسلم لیگ کے صدر نواب ممدوٹ (نواب سر شاہنواز ممدوٹ) کی سازش سے وہ تجویز کامیاب نہ ہو سکی لیکن قائداعظمؒ نے ہمت نہ ہاری تا آنکہ دو ہی سال بعد' وہ اجلاس' اسی لاہور میں' اس استقبالیہ کمیٹی کے زیر اہتمام' جس کے صدر وہی نواب ممدوٹ تھے' اس شان و شکوہ اور عظمت و شوکت کے ساتھ منعقد ہوا جس کی مثال تاریخ میں بمشکل ملے گی۔ اسی کی یاد میں آج کی ہماری یہ تقریب منعقد ہو رہی ہے۔

لیکن اس اجلاس کا انعقاد قائداعظمؒ کی استقامت اور عزم کا امتحان اپنے آغوش میں لئے تھا۔ یہ داستان بڑی حیرت انگیز بھی ہے اور جرأت آموز بھی' اس لئے میں اسے ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ بالخصوص اس لئے کہ یہ میری شنید نہیں' دید ہے۔ میں اس کا عینی شاہد ہوں۔ شاہد ہی نہیں بلکہ اس کارزار میں خود بھی شریک تھا۔

لاہور کا اجلاس

1937ء کے انتخابات کے وقت مسلم لیگ کی کسمپرسی کی جو حالت تھی اسے ہم دیکھ چکے ہیں۔ اس سے اگلے سال آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس لاہور میں منعقد کرنے کی تجویز کو جس طرح ناکام بنا دیا گیا تھا' وہ بھی ہماری نظروں سے گذر چکا ہے لیکن اس مردِ آہن کی اَن تھک کوششوں اور بے پناہ ہمتوں نے دو ہی سال کے عرصہ میں قوم میں جو انقلاب پیدا کر دیا تھا اس کی نظیر بھی تاریخ میں کم ہی ملے گی۔ چنانچہ جب 1940ء کے اوائل میں یہ فیصلہ ہوا کہ مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس مارچ میں

لاہور ہی میں منعقد ہوگا تو قوم نے جس ذوق وشوق' جس جوش وخروش' جس دبدبہ اور طنطنہ سے اس فیصلہ کا استقبال کیا اس سے نظر آتا تھا کہ یہ دوسال پہلے کی قوم نہیں۔ ایک نئی قوم ہے جو تازہ امنگوں اور پُرکیف آرزوؤں کی ایک دنیا اپنے جلو میں لئے اپنے نصب العین کی طرف بڑھے چلی جارہی ہے۔ ہر نگہ بصیرت دیکھ رہی تھی کہ یہ قوم نہیں' پُرخلوص دِلوں کا ایک سمندر ہے جس کی تلاطم خیزیوں کا کوئی حریف نہیں ہوسکتا۔ ہماری نئی نسل کی حرماں نصیبیوں میں ایک یہ بھی ہے کہ اس نے اس قوم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہی نہیں جو خلوص وایثار کا شعلہ جوالہ تھی۔ اس نے اس قوم کو دیکھا ہے جو راکھ کا ڈھیر اور افسردگیوں اور مایوسیوں کا ماتم کدہ ہے۔ غالبؔ نے اس تقابل کو جس دلکش لیکن حسرت آمیز انداز سے بیان کیا ہے اس سے بہتر منظر کشی ممکن نہیں۔ اس نے سوسال پہلے جو کچھ کہا تھا وہ آج ہمارے حال پر صادق آتا ہے۔ اُس نے کہا تھا ؎

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دِل زنہار' اگر تمہیں ہوسِ ناؤ نوش ہے
دیکھو مجھے جو دیدۂ حیرت نگاہ ہو میری سنو جو گوش حقیقت نیوش ہے
یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط دامانِ باغبان و کفِ گُل فروش ہے
یا صبح دم جو دیکھیے آ کر تو بزم میں نے وہ سرور و شور نہ جوش و خروش ہے
داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

بہرحال' اس اعلان پر کہ لیگ کا سالانہ اجلاس' مارچ میں لاہور میں منعقد ہوگا' سارا ملک' دامانِ باغبان وکفِ گُل فروش کا بہار آفریں منظر پیش کررہا تھا' اِدھر قوم کی یہ کیفیت تھی لیکن دوسری طرف اس کے مخالفین کی چھاتی پر سانپ لوٹ رہے تھے۔ ان کی مذموم کوشش تھی کہ کچھ ایسا کیا جائے کہ یہ اجلاس منعقد نہ ہونے پائے۔ اس مقصد کے لئے کانگریس کے منتخب صدر' (مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم) لاہور آئے اور سرسکندر حیات (مرحوم) سے خفیہ ملاقات کی۔ اس میں کیا طے پایا اس کی کانوں کان کسی کو خبر نہ ہوئی۔ اجلاس کی تاریخیں قریب تر آتی گئیں۔ لوگوں کا ولولۂ شوق تیز تر ہوتا گیا۔ تیاریاں زور پکڑتی گئیں' کہ جلوسِ صدر مسلم لیگ (قائداعظمؒ) کے عین دو دن پہلے (19 مارچ 1940ء کی) شام کے قریب یہ وحشت انگیز خبر ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گئی کہ لاہور میں خاکساروں کے جلوس پر گولی چلادی گئی ہے۔ اس سے تمام شہر ماتم کدہ بن گیا۔ دفعہ 144 نافذ کردی گئی بلکہ کرفیو لگادیا گیا۔ مجھے اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع ذرا پہلے مل گئی تھی۔ میں (علامہ مشرقی مرحوم سے ملنے کے بعد' جو اس وقت دہلی آگئے تھے) اس خبر کو قائداعظمؒ کے گوش گزار کرنے کے لئے ان کے دولت کدہ پر پہنچا۔ وہ منظر اب

تک میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ میں ان سے اس موضوع پر باتیں کر رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ انہوں نے ریسیور اٹھایا۔ مجھے اندازہ تو پہلے ہی ہو گیا تھا۔ قائداعظمؒ نے بعد میں بتایا کہ لاہور سے' نواب شاہنواز (مرحوم) چیئرمین استقبالیہ کمیٹی کا فون تھا۔ اُدھر سے کیا کہا جا رہا تھا اسے تو میں سُن نہیں سکتا تھا۔ اِدھر کیفیت یہ تھی کہ ایک ایک فقرہ پر' پورے دبدبے اور طنطنے کے ساتھ کوہ آسا عزم و اعتماد کا اظہار ہو رہا تھا۔ آخری فقرہ کچھ اس طرح کا تھا کہ خواہ مارشل لاء نافذ ہو یا کرفیو لگے۔ یہ اجلاس منعقد ہوگا اور ہر حال میں ہوگا۔ میں پروگرام کے مطابق لاہور پہنچ رہا ہوں۔ چنانچہ وہ پروگرام کے مطابق لاہور پہنچے اور جس شان و شوکت' لیکن انتہائی سکوت و سکون کے ساتھ وہ اجلاس منعقد ہوا۔ چشمِ فلک نے اس کی مثال کم دیکھی ہوگی۔

(ضمناً) معلوم نہیں! یہ قائداعظمؒ کی ذات کے ساتھ لوگوں کی والہانہ عقیدت اور احترام تھا یا ان کی شخصیت کی سحرانگیزی۔ اُس زمانے میں قائداعظمؒ اردو کے چار لفظ بھی نہیں جانتے تھے۔ کیفیت یہ ہوتی تھی کہ لاکھوں کا مجمع ہے جس میں نوے فیصد سامعین انگریزی کا ایک لفظ نہیں سمجھتے۔ قائداعظمؒ دو دو' تین تین گھنٹوں تک انگریزی میں تقریر کر رہے ہیں اور کیا مجال کہ اس لاکھوں کے مجمعے میں کسی کے کھانسنے تک کی آواز بھی سنائی دے! اس سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ قوم کس قدر (Disciplined) ہو چکی تھی۔ آج سیاسی بیداری نام رہ گیا ہے ہنگامہ خیزی' غوغا آرائی اور فساد انگیزی کا۔ یہ قائداعظمؒ کی تربیت یا ان کے ذاتی کردار کا غیر شعوری اثر تھا کہ قریب دس سالہ تحریکِ پاکستان کے دوران' جب چاروں طرف مخالفت کی آگ بھڑکائی جا رہی تھی۔ وابستگانِ تحریک کی طرف سے نہ کسی جگہ کسی قسم کا ہنگامہ برپا کیا گیا' نہ فساد کھڑا کیا گیا۔ قوم پر راہنمایانِ قوم کی سیرت و کردار کا بڑا گہرا اثر ہوتا ہے بشرطیکہ وہ منافقانہ نہ ہو بلکہ خلوص اور صداقت پر مبنی ہو۔ قائداعظمؒ نے قوم کو' یقین' اتحاد اور ضبط کا جو سلوگن دیا تھا' قوم اس کی محسوس علامت بن گئی تھی۔ ان پُرآشوب اور صبر آزما حالات میں قراردادِ پاکستان منظور ہوئی جسے اس تحریک کے سنگِ بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔ تاریخ اس ستم ظریفی اور بوالعجبی کو کس طرح فراموش کر دے گی کہ جس وقت ''مسٹر جناح'' یہ اعلان کر رہے تھے کہ ہم ایک ایسا خطہ زمین حاصل کرنا چاہتے ہیں جس میں حضور نبی اکرم ﷺ کے نقوشِ قدم کے اتباع میں اسلامی مملکت قائم کی جائے گی' (مولانا) ابوالکلام آزاد (جنہیں کسی زمانے میں امام الہند کہہ کر پکارا جاتا تھا) رام گڑھ کے مقام پر کانگریس کے سالانہ اجلاس کے خطبہ صدارت میں یہ ویاکھیان دے رہے تھے کہ:

وقت کی ساری پھیلی ہوئی اندھیاریوں میں انسانی فطرت کا ایک ہی روشن پہلو ہے جو مہاتما گاندھی کی عظیم روح کو تھکنے نہیں دیتا۔

مسٹر جناحؒ یہ کہہ رہے تھے کہ:

مسلمان، دین کے اشتراک کی بنا پر، ہندوؤں، بلکہ ساری دنیا کے غیر مسلموں کے مقابلہ میں ایک الگ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اور مولانا آزاد یہ فرما رہے تھے کہ:

یہ تخیل کہ مسلمان بر بنائے مذہب ایک جداگانہ قوم ہیں اور ہندوستان میں دو الگ الگ قومیں آباد ہیں۔ ایک ہندو اور دوسری مسلمان۔ انگریزوں کا وضع کردہ ہے۔ میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں ہندوستانی ہوں۔ میں ہندوستان کی ایک اور ناقابلِ تقسیم متحدہ قومیت کا ایک عنصر ہوں۔

قراردادِ پاکستان کی مخالفت، اکیلے (مولانا) ابوالکلام آزاد کی طرف سے ہی نہیں ہوئی تھی۔ تمام نیشنلسٹ مسلمان اس کی مخالفت میں انتہائی گرم جوشی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ جمیعت العلماء ہند (جس کے نامور سربرآوردگان کے کردار کی ایک جھلک ہم انتخابات 1937ء کے پچاس ہزار روپیہ کے مطالبہ کے سلسلہ میں دیکھ چکے ہیں)۔ احرارِ اسلام۔ سرخ پوش۔ وغیرہم، سب کی طرف سے مخالفت ہوئی تھی۔ سندھ کے خان بہادر الہ بخش (مرحوم) نے اس قرارداد کے متعلق کہا تھا:

یہ اسکیم آزادیٔ ہند کے راستے میں روڑے اٹکاتی ہے۔

عبدالرحمن سرحدی نے کہا:

یہ ہندوستان میں برطانوی تسلط قائم رکھنے کا ذریعہ ہے۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے فرمایا:

اس سے برطانوی حکومت قائم رہے گی۔

احراری لیڈر (مولانا) حبیب الرحمن لدھیانوی نے کہا:

یہ اسکیم ملک کے مفاد کے لئے بالعموم اور مسلمانوں کے مفاد کے لئے بالخصوص نقصان رساں ہے۔ اگر کبھی اسلامستان وجود میں آیا تو احرار کے ہاتھوں آئے گا۔

سب سے زیادہ دلچسپ کردار سر سکندر حیات (مرحوم) کا تھا۔ ان کی مخالفت کے علی الرغم جب یہ اجلاس منعقد ہو گیا تو ہم کیا دیکھتے ہیں کہ وہ اس کمیٹی میں شامل ہیں جس نے قراردادِ پاکستان کا مسودہ مرتب کیا تھا۔ اس کے بعد ہم انہیں اسلامیہ کالج کے طلبا کو یہ نصیحت کرتے ہوئے سنتے ہیں کہ:

زندگی میں تمہارا نصب العین کچھ ہی ہو لیکن یاد رکھو۔ تم کسی ایسی اسکیم کی تائید نہ کرنا جس کا منشاء ہندوستان کو تقسیم کر کے مسلمانوں کے لئے الگ خطہ منتخب کرنا ہو۔ یہ اسلام کے بنیادی اصول کے خلاف ہوگا۔

سر سکندر کی طرف سے اس مخالفت کا نتیجہ تھا کہ ان کی پارٹی (یونینسٹ) کے سربراہ سر چھوٹو رام کہتے تھے کہ:

سر سکندر کسی خالص اسلامی حکومت میں وزیراعظم تو ایک طرف' کوئی ذمہ داری کا عہدہ لینے کے لئے بھی تیار نہیں ہوں گے۔ پنجاب میں صرف پنجابیوں کی حکومت ہوگی۔

مخالفتوں کے اس تمام ہجوم میں' عزمِ راسخ کا یہ فولادی پیکر' چٹان کی طرح کھڑا تھا اور کہہ رہا تھا کہ:

لاہور کے پلیٹ فارم ہی سے مسلم لیگ نے پاکستان کا مطالبہ پیش کیا اور آج (یکم مارچ 1941ء کو) میں اسی پلیٹ فارم سے اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان ایک ایسی منزل ہے جس تک پہنچنے سے مسلمانوں کو کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ ہندوستان کے براعظم میں پاکستان کے سوا کوئی دستور کامیاب نہیں ہوسکتا۔ پاکستان بن کر رہے گا۔

مودودی صاحب مرحوم کی مخالفت:

یہ مخالفتیں ہنگامی اور وقتی تھیں۔ جوں جوں ان کا اثر کم ہوتا گیا' یہ ماند پڑتی گئیں۔ لیکن سب سے زیادہ شدید اور دوررس مخالفت ایک اور گوشے کی طرف سے ہوئی۔ یہ مخالفت تھی سید ابوالاعلیٰ مودودی کی طرف سے۔ ان کی طرف سے مخالفت بڑی غیر متوقع بھی تھی اور تعجب انگیز بھی۔ یہ پہلے کانگریسی تھے۔ چنانچہ ایک عرصہ تک نیشنلسٹ علماء کے آرگن الجمعیتہ کے حلقہ ادارت میں شامل رہے اور گاندھی جی کی سوانح عمری بھی مرتب کی۔ پھر یہ حیدر آباد (دکن) چلے گئے اور وہاں علامہ اقبالؒ کے پیش کردہ دوقومی نظریہ کی تائید میں مضامین لکھتے رہے۔ اس سے یہ مسلم لیگی حلقوں میں قدرے مقبول ہوئے تو یہ کہتے ہوئے پنجاب کی طرف آ گئے کہ وہ علامہ اقبالؒ کے مشن کی تکمیل کے لئے آ رہے ہیں۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے جب اپنے پاؤں جما لئے تو بقایا ساری عمر (تقسیم ہند سے پہلے تحریک پاکستان کے دوران اور تشکیلِ پاکستان کے بعد مرتے دم تک) علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ کے تصور پاکستان کی مخالفت میں بسر کی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ اپنے مشن میں سب سے زیادہ کامیاب رہے۔ علامہ اقبالؒ نے مملکتِ پاکستان کا تصور پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس سے وہ نقوش مٹ جائیں گے جو ہمارے دور ملوکیت میں مذہبی پیشوائیت کی وساطت سے اسلام پر لگ چکے تھے اور جس سے اس کی اصل صورت مسخ ہو کر رہ گئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اور قائداعظمؒ نے بار بار اعلان کیا تھا کہ پاکستان میں کسی صورت میں بھی تھیا کریسی قائم نہیں ہوگی۔ مودودی (مرحوم) کی

پہلے تو یہ اسکیم تھی کہ پاکستان بننے ہی نہ پائے اور جب یہ بن گیا تو انہوں نے یہ اسکیم مرتب کی کہ جس تھیا کریسی کو مٹانے کے لئے اقبالؒ اور قائداعظمؒ نے اس مملکت کو قائم کرایا ہے' اس میں وہی تھیا کریسی مسلط رہے۔ چنانچہ (جیسا کہ ہم آگے چل کر بتائیں گے) اس وقت پاکستان میں جو تھیا کریسی مسلط ہو رہی ہے' وہ مودودی (مرحوم) کی اسکیم ہی کا نتیجہ ہے۔ یہ وجہ ہے جو ہم نے کہا ہے کہ مودودی (مرحوم) اپنے مشن میں کامیاب رہے ہیں۔ چونکہ طلوع اسلام کا مشن' پاکستان میں (اقبالؒ اور قائداعظمؒ کے تصور کے) اس اسلام کو برسر اقتدار لانا تھا جس میں تھیا کریسی کا کوئی عمل دخل نہ ہو' اس لئے وہ مودودی (مرحوم) کی اسکیم کی مخالفت میں ان کے ساتھ شانہ بشانہ ہمسفر رہا۔ اس سلسلہ میں' اس میں مسلسل اور متواتر لکھا جاتا رہا اور اس کثرت سے کہ اسے یکجا کرنے سے ضخیم کتابیں مرتب ہو جائیں۔ طلوع اسلام میں جو کچھ لکھا گیا اسے بار بار دھرانے کی ضرورت اس لئے پیش آتی رہی کہ (دیگر مخالف جماعتوں نے) تشکیلِ پاکستان کے بعد اس کا اعتراف کر لیا کہ انہوں نے واقعی اس تحریک اور مطالبہ کی مخالفت کی تھی لیکن مودودی (مرحوم) اور ان کی جماعت برابر یہ کہتی چلی گئی کہ انہوں نے مطالبہ پاکستان کی مخالفت قطعاً نہیں کی تھی۔ میں نے اس وقت اس تلخ داستان کے دہرانے کی ضرورت اس لئے سمجھی ہے کہ جیسا کہ میں نے ابھی ابھی کہا ہے اس وقت جس اسلام کو پاکستان میں نافذ کیا جا رہا ہے وہ مودودی (مرحوم) ہی کی اسکیم کا نتیجہ ہے۔

مرحوم نے (پنجاب آنے کے بعد) تحریک پاکستان کے خلاف بالعموم اور قائداعظمؒ کے خلاف بالخصوص اپنے مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا جسے بعد میں کتابی شکل میں شائع کیا گیا تھا۔ اس کا نام تھا ''مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش''۔ حصہ سوم۔ ذیل میں جو اقتباسات پیش کئے جائیں گے وہ اس کتاب کے پہلے ایڈیشن سے ماخوذ ہیں جو آرمی پریس۔ دہلی میں چھپا تھا۔ ان اقبتاسات کو غور سے ملاحظہ فرمائیے۔

مطالبۂ پاکستان کی بنیاد اس دعوے پر تھی کہ مسلمان ایک جداگانہ قوم ہیں۔ مودودی (مرحوم) نے کہا کہ وہ کون سے مسلمان ہیں جن کے الگ قوم ہونے کا آپ دعویٰ کر رہے ہیں؟

> یہ......جس کو مسلمان قوم کہا جاتا ہے' اس کا حال یہ ہے کہ اس کے 999 فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں نہ حق اور باطل کی تمیز سے آشنا ہیں۔ نہ ان کا اخلاقی نقطۂ نظر اور ذہنی رویہ اسلام کے مطابق تبدیل ہوا ہے۔ باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو مسلمان کا نام ملتا چلا آ رہا ہے' اس لئے یہ مسلمان ہیں۔ نہ انہوں نے حق کو حق جان کر قبول کیا ہے نہ باطل کو باطل جان کر اسے ترک کیا ہے۔ ان کی کثرتِ رائے کے ہاتھ میں باگیں دے کر اگر کوئی شخص یہ امید رکھتا ہے کہ گاڑی اسلام کے راستے پر چلے گی تو اس کی خوش فہمی قابلِ داد

ہے۔ایک قوم کے تمام افراد کو محض اس وجہ سے' کہ وہ نسلاً مسلمان ہیں' حقیقی معنی میں مسلمان فرض کر لینا اور یہ امید رکھنا کہ ان کے اجتماع سے جو کام بھی ہوگا' اسلامی اصول ہی پر ہوگا' پہلی اور بنیادی غلطی ہے۔

(جلد سوم' ص130)

یہاں جس قوم کا نام مسلمان ہے' وہ ہر قسم کے رطب و یابس لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔ کیریکٹر کے اعتبار سے جتنے ٹائپ کافر قوموں میں پائے جاتے ہیں' اتنے ہی اس قوم میں بھی موجود ہیں۔

(جلد سوم' ص166)

ان وجوہ سے وہ عظیم الشان تعداد' جو ہم کو مردم شماری کے رجسٹروں میں نظر آتی ہے' اسلامی اغراض کے لئے قریب قریب بالکل بے کار ہو چکی ہے۔ اس کی تعداد کے بھروسے پر اگر کچھ کیا جائے گا تو سخت مایوسی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ (جلد سوم' ص56)

دوسری جگہ لکھا:

اگر آپ اس نام نہاد مسلم سوسائٹی کا جائزہ لیں گے تو اس میں آپ کو بھانت بھانت کا مسلمان نظر آئے گا۔ مسلمان کی اتنی قسمیں ملیں گی کہ آپ شمار نہ کر سکیں۔ یہ ایک چڑیا گھر ہے جس میں چیل' کوے' گدھ' بٹیر' تیتر اور ہزاروں قسم کے جانور جمع ہیں اور ان میں سے ہر ایک ''چڑیا'' ہے۔ (جلد سوم' ص31)

اسلام کو تانبے کے ان سکوں کا خزانہ مطلوب نہیں جن پر اشرفی کا ٹھپہ لگا یا گیا ہو۔ وہ سکہ کے نقوش دیکھنے سے پہلے یہ دریافت کرتا ہے کہ ان نقوش کے نیچے خالص سونے کا جوہر بھی ہے یا نہیں۔ ایسا ایک سکہ ان جعلی اشرفیوں کے ڈھیر سے' اس کے نزدیک' زیادہ قیمتی ہے۔ (جلد سوم' ص167)

یہ تو رہا مسلم قومیت کے متعلق۔ ان کی قیادت (لیڈرشپ) کے متعلق کہا:

مسلم لیگ کی قیادت کے خلاف

افسوس کہ لیگ کے قائداعظمؒ سے لے کر چھوٹے مقتدیوں تک ایک بھی ایسا نہیں جو اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرزِ فکر رکھتا ہو اور معاملات کو اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہو۔ (جلد سوم' ص 37) ایسے لوگوں کو محض اس لئے مسلمانوں کی قیادت کا اہل قرار دینا کہ وہ مغربی سیاست کے ماہر یا مغربی طرزِ تنظیم کے استادِ فن ہیں اور اپنی قوم کے عشق میں ڈوبے ہوئے ہیں' سراسر اسلام سے جہالت اور غیر اسلامی ذہنیت ہے۔ (جلد سوم'

ص70)ان لوگوں کی عملی زندگی اوران کے خیالات' نظریات' طرزِ سیاست اوررنگِ قیادت میں خوردبین لگاکربھی اسلامیت کی کوئی چھینٹ نہیں دیکھی جاسکتی۔ (جلدسوم' ص74)

اس کے بعدکہا:

اگرہندوستان کے مسلمانوں نے دین سے بے بہرہ لوگوں کی قیادت میں' ایک بے دین قوم کی حیثیت سے اپنا علیحدہ وجود برقرار رکھا بھی (جیسا کہ ترکی اورایران میں برقرار رکھے ہوئے ہیں) تو ان کے اس طرح زندہ رہنے میں اورکسی غیرمسلم قومیت کے اندر فنا ہوجانے میں آخرفرق ہی کیا ہے؟ ہیرے نے اگراپنی جوہریت ہی کھودی تو پھرجوہری کو اس سے کیادلچسپی کہ وہ کم بخت پتھر کی صورت میں باقی رہے یامنتشر ہوکر خاک میں رل مل جائے۔ (جلدسوم' ص8)

مسلمانوں کی جداگانہ مملکت کے جواز' بلکہ ضرورت کے لئے دلیل یہ دی جاتی تھی کہ اس میں اسلامی حکومت قائم کی جائے گی۔اس حقیقت کو1930ء سے لے کر1947ءتک برابر دہرایا جاتا رہا۔لیکن مودودی (مرحوم) کاارشاد یہ تھا کہ:

مسلم لیگ کے کسی ریزولیوشن اورلیگ کے ذمہ دارلیڈروں میں سے کسی کی تقریر میں آج تک یہ بات واضح نہیں کی گئی کہ ان کا آخری مطمحِ نظرپاکستان میں اسلامی نظامِ حکومت قائم کرنا ہے۔ جولوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگرمسلم اکثریت کے علاقے' ہندواکثریت کے تسلط سے آزاد ہوجائیں اور یہاں جمہوری نظام قائم ہوجائے تو اس طرح حکومتِ الٰہی قائم ہوجائے گی' ان کا گمان غلط ہے۔ دراصل اس کے نتیجے میں جوکچھ حاصل ہوگا وہ صرف مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی بلکہ اس سے بھی زیادہ قابل لعنت۔

(جلدسوم' ص132-130)

جوکچھ مودودی (مرحوم) اس وقت کہتے تھے' اسے آپ نے سُن لیا۔اس کے برعکس حقیقت کیاتھی اس کے متعلق ہم سے نہیں' خودمودودی صاحب کی زبان سے سنئے۔انہوں نے 1976ء میں ایک بیان دیا تھا جوروزنامہ نوائے وقت کی اشاعت بابت 14اگست 1976ء میں شائع ہواتھا۔اس میں انہوں نے کہاتھا کہ:

اس تحریک کے آغاز ہی سے عام مسلمان یہ سمجھ رہے تھے کہ ان کی تمناؤں کا مرکز' پاکستان' ایک اسلامی مملکت ہوگا جس میں اسلام کا قانون جاری ہوگا اوراسلامی تہذیب زندہ کی جائے گی۔اسی لئے ان کا نعرہ یہ تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا۔۔۔لا الٰہ الا اللہ۔۔۔ مسلم لیگ کے لیڈربھی اپنی تقریروں میں یہی خیال ظاہر

کررہے تھے اور سب سے بڑھ کر، خود قائداعظمؒ مرحوم ومغفور نے مسلمانوں کو یقین دلایا تھا کہ پاکستان کا دستور قرآنی ہوگا۔

اس کے باوجود وہ تحریکِ پاکستان کے زمانے میں کہتے تھے کہ:

مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرے لئے اس مسئلہ میں بھی کوئی دلچسپی نہیں کہ ہندوستان میں جہاں مسلمان کثیر التعداد ہیں وہاں ان کی حکومت قائم ہوجائے۔ (جلد سوم، ص93)

اس زمانے میں ان سے کہا گیا کہ چلئے! مسلمانوں میں ہزار نقص سہی۔ مسلم لیگ اور اس کی قیادت بھی آپ کے نزدیک اسلامی معیار پر پوری نہیں اترتی لیکن اس وقت جو جنگ ہورہی ہے اس میں مطالبہ صرف اتنا ہے کہ مسلمان اکثریت کے علاقوں میں اپنی آزاد مملکت قائم کرلی جائے۔ اگر یہ الگ خطۂ زمین مل گیا تو اس میں اسلامی مملکت قائم ہوجانے کا امکان تو ہوگا۔ آپ وہاں اسلامی حکومت قائم کرلیجئے گا۔ اس کے جواب میں وہ کہتے تھے۔

بعض لوگ یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ غیر اسلامی طرز ہی کا سہی، مسلمانوں کا قومی اسٹیٹ قائم تو ہو جائے۔ پھر رفتہ رفتہ تعلیم و تربیت اور اخلاقی اصلاح کے ذریعے سے اس کو اسلامی اسٹیٹ میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ مگر میں نے تاریخ، سیاسیات اور اجتماعیات کا جو تھوڑا بہت مطالعہ کیا ہے، اس کی بنا پر میں اس کو ناممکن سمجھتا ہوں اور اگر یہ منصوبہ کامیاب ہوجائے تو میں اس کو ایک معجزہ سمجھوں گا۔ (جلد سوم، ص168)

تاریخ پاکستان میں 46-1945ء کا زمانہ بڑا نازک تھا۔ انگریز اور ہندو نے 1937ء کے انتخابات سے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ اگر ایک بار الیکشن پھر کرائے جائیں تو مسلم لیگ کے مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہونے کے دعوے کی قلعی کھل جائے گی۔ اس مقصد کے لئے 1946ء میں انتخابات کا فیصلہ کیا گیا۔ ان انتخابات کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ قائداعظمؒ (اپنی انتہائی خرابیٔ صحت کے باوجود) ملک بھر میں مسلسل دورے کررہے تھے اور مسلمانوں سے کہہ رہے تھے کہ یاد رکھو:

اگر ہم اس جدوجہد میں ناکام رہ گئے تو نہ صرف یہ کہ ہم ناکام رہ جائیں گے بلکہ اس برصغیر میں مسلمانوں اور اسلام کا نام ونشان مٹ جائے گا۔ (23 مارچ 1945ء کو قوم کے نام خطاب)

اس وقت ایک ایک ووٹ فیصلہ کن حقیقت بن سکتا تھا۔ ایسے نازک وقت میں مودودی (مرحوم) سے کہا گیا کہ وہ انتخابات میں مسلمانوں کا ساتھ دیں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ:

ووٹ اور الیکشن کے معاملہ میں ہماری پوزیشن صاف صاف ذہن نشین کرلیجئے پیش آمدہ انتخابات یا

آئندہ آنے والے انتخابات کی اہمیت جو کچھ بھی ہو اور ان کا جیسا کچھ بھی اثر ہماری قوم یا ملک پر پڑتا ہو' بہرحال ایک بااصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحت کی بنا پر ہم ان اصولوں کی قربانی گوارا کرلیں جن پر ہم ایمان لائے ہیں۔

(اخبار کوثر' مورخہ 28 اکتوبر 1945ء' بحوالہ ''مولانا مودودی' دعاوی اور عمل''ص 8)

آخری وقت تک مخالفت

مودودی (مرحوم) کی اس قدر شدید مخالفت کے باوجود قائداعظمؒ کو کامیابی حاصل ہوئی اور حکومتِ برطانیہ نے فروری 1947ء میں اعلان کردیا کہ جون 1948ء تک ملک کو تقسیم کردیا جائے گا۔ اس پر مودودی صاحب نے سوچا کہ مسلم اکثریت کے صوبے ان کی مخالفت سے متاثر نہیں ہوئے تو اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کو مطالبۂ پاکستان کے خلاف اکسانا چاہئے۔ اس مقصد کے لئے جماعت اسلامی کے وفود نے اقلیتی صوبوں کا رُخ کیا اور اپریل 1947ء کے اواخر میں ٹانک' مدراس اور پٹنہ میں جماعت کے مخصوص اجلاس منعقد کئے۔ ان میں مسلم اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں سے کیا کہا جاتا تھا' اس کا اندازہ خود مودودی صاحب کی ایک تقریر سے لگایئے جو انہوں نے 25 اپریل 1947ء کو مدراس میں کی تھی۔ اس میں انہوں نے کہا تھا:

> ہندو اکثریت کے علاقوں میں مسلمان عنقریب یہ محسوس کرلیں گے کہ جس قوم پرستی پر انہوں نے اپنے اجتماعی رویہ کی بنیاد رکھی تھی وہ انہیں بیابانِ مرگ میں لاکر چھوڑ گئی ہے اور ان کی قومی جنگ جسے وہ بڑے جوش وخروش سے بغیر سوچے سمجھے لڑ رہے تھے ایک ایسے نتیجے پر ختم ہوئی ہے جو ان کے لئے تباہی کے سوا اپنے اندر کچھ نہیں رکھتا۔

(روئیدادِ جماعت اسلامی' حصہ پنجم' ص 114 و ص 120)

اس کے بعد انہوں نے کہا کہ تحریک پاکستان کی بجائے اگر مسلمانانِ ہند اس دعوت کو قبول کرلیتے جو وہ دے رہے تھے:

> تو آج ہندوستان کی سیاست کا نقشہ بالکل بدلا ہوا ہوتا اور دو چھوٹے چھوٹے پاکستانوں کی جگہ سارے ہندوستان کے پاکستان بن جانے کے امکانات ان کی آنکھوں کے سامنے ہوتے۔ (یاد رکھئے) جوں ہی ہندوستان کی سیاست کا موجودہ دور ختم ہو کر نیا دور شروع ہوا' اقلیت کے علاقوں میں مسلمانوں کو اپنی واقعی یاس انگیز پوزیشن کا عام احساس شروع ہوجائے گا۔ (ایضاً)۔

ان کے ایک اہم رفیق، ملک نصراللہ خان (مرحوم) نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اسلام کے نفاذ اور اقامتِ دین کے لئے کسی خطۂ زمین کی سرے سے ضرورت ہی نہیں۔ پٹنہ کے اجلاس میں انہوں نے اپنی تقریر کے دوران کہا:

> بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اقامتِ دین کے آغاز سے پہلے زمین کا ایک قطعہ حاصل کر لینا ضروری ہے جہاں دین کو برپا کرسکیں۔ حیرت ہے کہ یہ چیز خاصے سمجھدار اور بظاہر معقول اور عالمِ دین لوگوں تک کی طرف سے کہی جاتی ہے۔ ایسی باتیں وہی لوگ کہہ سکتے ہیں جو یا تو سیاست اور فلسفۂ اجتماع سے کلیتاً نابلد ہیں اور محض اِدھر اُدھر سے چند باتیں اور نعرے سُن سُنا کر سیاسی تحریکوں میں شامل ہو گئے ہیں اور کوئی اور سمجھدار آدمی موجود نہ ہونے کی وجہ سے لیڈری کے درجے کو پہنچ گئے ہیں یا پھر نفس پرستی میں مبتلا اور خدا کے خوف سے آزاد ہونے کی وجہ سے اَن پڑھ اور حقائق و سیاست سے ناواقف عوام کو بے وقوف بناتے ہیں تاکہ وہ ان کے چنگل سے نکلنے نہ پائیں۔ ورنہ موٹی بات ہے کہ حکومت کے قیام کے لئے آپ کو اینٹ اور گارے کی ضرورت نہیں کہ آپ قطعاتِ زمین تاکتے پھریں۔ اس کے لئے آپ کو زمین کی نہیں بلکہ ایک ایسی مضبوط اور منظم جماعت کی ضرورت ہے جو آپ کے پیشِ نظر نظریۂ حکومت کو ماننے اور اس کے لئے مر مٹنے والی ہو۔ اگر آپ نے ایسی جماعت پیدا کر لی تو جہاں بھی وہ ہوگی وہیں وہ اس نظریے کی حکومت قائم کر لے گی۔
>
> (ایضاً، ص 154)

(ضمناً) مسلم اقلیتی صوبوں کو مطالبۂ پاکستان کی مخالفت کے لئے اکسانے کی اسکیم، مودودی (مرحوم) کی اپنی نہیں تھی۔ یہ درحقیقت (مولانا) ابوالکلام آزاد (مرحوم) کی صدائے بازگشت تھی انہوں نے اپریل 1946ء میں ایک بیان جاری کیا تھا جس میں پہلے کہا تھا کہ:

> مجھے اعتراف ہے کہ پاکستان کی اصطلاح ہی میری روح کے خلاف ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کرۂ ارض کے بعض حصے پاک ہیں اور باقی ناپاک۔ زمین کے مختلف خطوں کی ''پاک اور ناپاک'' کی یہ تقسیم یکسر غیر اسلامی اور اسلام کی روح کے خلاف ہے۔ اسلام اس قسم کی تقسیم کو تسلیم نہیں کرتا۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''خدا نے پورے کرۂ ارض کو میرے لئے مسجد بنایا ہے۔''

اس کے بعد انہوں نے فرمایا:

آیئے! ذرا جذبات سے ہٹ کر سوچیں کہ اگر پاکستان کی اسکیم عمل میں آ گئی تو اس کے نتائج اور عواقب کیا ہوں گے۔ اس سے ہندوستان دو مملکتوں میں بٹ جائے گا ایک میں مسلمان اکثریت میں ہوں گے اور دوسری میں ہندو۔ ہندوستانی مملکت میں قریب ساڑھے تین کروڑ مسلمان رہ جائیں گے جو مختلف گوشوں میں اقلیت کی حیثیت سے بکھرے ہوں گے...... ان علاقوں میں انہوں نے ہزار سال سے اپنے مساکن تعمیر اور مسلم ثقافت اور تہذیب کے مراکز قائم کئے تھے۔ وہ ایک صبح اٹھیں گے اور اپنے آپ کو ان علاقوں میں اجنبی اور حریف پائیں گے۔ وہ صنعت وحرفت۔ تعلیم اور معاشیات میں' (ہندوؤں سے) بہت پیچھے ہوں گے اور اپنے آپ کو اس مملکت کے رحم و کرم پر محسوس کریں گے جس میں اس وقت خالصتہً ہندو راج ہوگا۔

(India Wins Freedom. P.P-142-43)

یہ تھا مخالفتوں کا وہ ہجوم جس کا مقابلہ' قائداعظمؒ کی جانِ ناتواں اکیلے کر رہی تھی۔ یہ سب' اپنے نصب العین کی صداقت پر یقینِ محکم اور اس کے حصول کے لئے عزمِ راسخ کی بدولت تھا۔ سچ ہے۔

جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

جس شخص کو اپنے مسلک کی صداقت پر یقینِ محکم ہو' وہ اپنے اصولوں کے معاملہ میں کسی کے ساتھ کسی قسم کی سودے بازی کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ وہ اپنے مقام پر چٹان کی طرح کھڑا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ مصالحت یا مفاہمت کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی۔ بڑے سے بڑا لالچ یا مہیب سے مہیب خطرہ اس کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہیں کر سکتا۔ وہ دو ٹوک بات کرتا ہے جس میں نہ کسی قسم کا ابہام ہوتا ہے نہ التباس۔ وہ اپنا دعویٰ صاف اور واضح الفاظ میں پیش کرتا ہے اور اس باب میں نہ کسی قسم کی مداہنت سے کام لیتا ہے نہ منافقت برتتا ہے۔ اقبالؒ کے الفاظ میں' اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ:

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

قائداعظمؒ کی زندگی اسی قسم کی ہم آہنگیٔ قلب وزبان کی مظہر تھی۔ 1935ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے تحت ہندوستان کو فیڈریشن بنانے کی تجویز پیش کی گئی تو قائداعظمؒ نے اس کی سختی کے ساتھ مخالفت کی۔ انگریز کی انتہائی خواہش تھی کہ وہ

اسکیم پروان چڑھ جائے۔ قائداعظمؒ کو ہمنوا بنانے (یا یوں کہئے کہ خریدنے) کے لئے برطانیہ کے وزیراعظم لارڈ رمزے میکڈانلڈ نے انہیں ذاتی ملاقات میں کہا کہ اگر سنہا ایک صوبے کا گورنر بن سکتا ہے تو کوئی اور بھی بن سکتا ہے۔ اگر سنہا لارڈ کا خطاب حاصل کرسکتا ہے تو کوئی اور بھی ایسا کرسکتا ہے۔ اس نے سمجھا کہ ایک صوبے کی گورنری یا لارڈ کا خطاب اتنی بیش بہا قیمت ہے جس کے عوض کسی ہندوستانی کو بھی خریدا جاسکتا ہے لیکن آپ کو معلوم ہے۔ قائداعظمؒ نے اس کے جواب میں کیا کہا؟ انہوں نے ایک لفظ بھی نہ کہا اور خاموشی سے وزیراعظم کے کمرے سے باہر نکلنے لگے۔ اس پر وہ بڑا متعجب ہوا اور الوداعی الفاظ کہنے کے ساتھ پوچھ ہی لیا کہ آپ کا ایسا ردعمل کیوں ہوا؟ قائداعظمؒ نے اس کے جواب میں انتہائی متانت کے ساتھ کہا کہ:

''اب میں آپ سے آئندہ کبھی نہیں ملوں گا' کیونکہ آپ مجھے بکاؤ مال سمجھتے ہیں۔''

لارڈ فنلتھگو اپنے رعب و داب کے لئے بڑا مشہور تھا۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران اس نے وارکونسل مقرر کی اور اس میں مسلم لیگی وزراء مولوی فضل الحق اور سرسکندر حیات کو بھی شامل کرلیا۔ قائداعظمؒ نے وارکونسل کو بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ کیا اور ان دونوں سے کہا کہ وہ وارکونسل سے مستعفی ہوجائیں۔ جب وائسرائے کو اس کا علم ہوا تو اس نے قائداعظمؒ کو ملاقات کے لئے بلا بھیجا۔ ملاقات کے لئے گیارہ بجے کا وقت مقرر تھا لیکن قائداعظمؒ ٹیلی فون پر بار بار یاددہانی کے باوجود سوا گیارہ بجے سے پہلے وائسرائیگل لاج نہ پہنچے۔۔۔ یہ اس لئے کہ وائسرائے کو معلوم ہوجائے کہ اس کی یہ حرکت قائداعظمؒ کے لئے کس قدر برافروختگی کا موجب ہوئی ہے۔ وہاں جاکر قائداعظمؒ نے وائسرائے سے ملاقات کا مقصد پوچھا۔ اس نے کہا کہ آپ کو میرے بیان سے کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں اس کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے۔ قائداعظمؒ نے اس کے جواب میں کیا کہا؟ آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور وائسرائے سے یہ کہتے ہوئے کہ مجھے آپ کی کوئی وضاحت کی کوئی ضرورت نہیں' کمرے سے باہر نکل آئے۔ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک ممتاز ہندو لیڈر مسٹر دوارکا داس کانجی نے لکھا تھا:

> یہ دیکھ کر دل میں مسرت کی ایک لہر اٹھتی ہے کہ ہندوستان میں مسٹر جناح کی قامت اور دیانت کا کم از کم ایک لیڈر تو ایسا تھا جس میں اس قدر صداقت اور بیباکی تھی کہ اس نے انگریز وائسرائے کے منہ پر کہہ دیا کہ وہ اسے کیا سمجھتا ہے جب کہ باقی ہندوستانی لیڈر' جن میں کانگریس ہائی کمان بھی شامل ہے' اس وائسرائے کو بہترین انگلش جنٹلمین اور بہترین عیسائی جنٹلمین جیسے خطابات سے نواز کر اس کی چاپلوسی کرتے تھے۔

یہ اس لئے کہ ایک اصول پرست انسان کے دل میں مصلحت آمیزی کا خیال تک نہیں آسکتا جو وہ منافقت کا انداز اختیار

کرے۔ مروجہ الفاظ میں یوں کہئے کہ قائداعظمؒ کے لغت میں ''نظریہ ضرورت'' جیسے الفاظ ملتے ہی نہیں۔ اقبالؒ نے کس قدر سچ کہا ہے کہ:

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی

قائداعظمؒ کا اپنے مشن کے ساتھ عشق، نہایت پختہ تھا اس لئے اس میں مصلحت کوشی کا شائبہ تک بھی بار نہیں پا سکتا تھا۔ لندن ٹائمز نے ان کی وفات پر ان کی خدمت میں خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا تھا:

> انہوں نے اپنی ذات کو ایک بہترین نمونہ پیش کر کے اپنے اس دعویٰ کو ثابت کر دیا کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ ان میں وہ ذہنی لچک نہیں تھی جو انگریز کے نزدیک ہندوستانیوں کا خاصہ ہے۔ ان کے تمام خیالات ہیرے کی طرح قیمتی مگر سخت اور واضح ہوتے تھے۔ ان کے دلائل میں ہندو لیڈروں جیسی حیلہ سازی نہیں تھی۔ وہ جس نقطۂ نظر کو ہدف بناتے تھے اس پر براہ راست نشانہ باندھ کر وار کرتے تھے۔ وہ ایک ناقابلِ تسخیر حریف تھے۔

عصرِ حاضر کی میکیاولی سیاست میں حصولِ مقصد کے لئے جو حربہ بھی استعمال کیا جائے جائز قرار پاتا ہے۔ لیکن قائداعظمؒ کے نزدیک سیاست میں اس قسم کی روش کس قدر قابل مذمت تھی اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگایئے جسے مرزا اصفہانیؔ نے بیان کیا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ:

> 1946ء کا ذکر ہے کلکتہ کے مسلم چیمبر آف کامرس کی ایک نشست خالی ہوئی۔ اس کے لئے مسٹر اصفہانی بطور مسلم لیگی امیدوار کھڑے ہوئے۔ انتخاب بلا مقابلہ ہو رہا تھا کہ تاریخ نامزدگی سے دو دن پہلے، بالکل خلافِ توقع، ایک اور صاحب نے اپنے کاغذاتِ نامزدگی داخل کر دیئے۔ اس زمانے میں انتخاب کے معنی محض ایک آدھ نشست حاصل کر لینا نہیں تھا۔ اس سے مسلم لیگ کے مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہونے کے دعویٰ کا ثبوت بہم پہنچتا تھا۔ اس لحاظ سے فریقِ مقابل کا یوں سامنے آ جانا وجۂ پریشانی ہو گیا۔ ایک شام (مرحوم) عبدالرحمن صدیقی بھاگے بھاگے آئے اور اصفہانی صاحب کو یہ مژدہ سنایا کہ انہوں نے فریقِ مخالف کو اس پر رضامند کر لیا ہے کہ اگر ہم اس کے زرِضمانت کا مبلغ اڑھائی سو روپیہ ادا کر دیں تو وہ مقابلہ سے دستبردار ہو جائے گا۔ ہم اس

سے بہت خوش ہوئے۔ قائداعظمؒ ہم سے ذرا فاصلے پر بیٹھے تھے۔ ان کے کان میں بھنک سی پڑی تو انہوں نے صدیقی صاحب سے کہا کہ ذرا اپنی بات کو دہرائیں انہوں نے بات سنائی تو قائداعظمؒ نے سخت برافروختہ ہوکر کہا کہ:

تم نے کیا کہا ہے؟ پیسے دے کر فریقِ مخالف کو بٹھا دینا! یہ بالواسطہ رشوت نہیں تو اور کیا ہے ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ جاؤ! اور اس سے کہو کہ ہمیں یہ منظور نہیں۔ ہم اس کا مقابلہ کریں گے۔

اس کے ساتھ ہی انہوں نے جو اصول بیان فرمایا وہ سننے کے قابل ہے۔ انہوں نے مسٹر اصفہانی سے کہا:

میرے عزیز! یاد رکھو۔ پبلک لائف میں اخلاقی دیانت' پرائیویٹ لائف سے بھی زیادہ اہم ہوتی ہے۔ (پرائیویٹ لائف میں بددیانتی سے کسی ایک شخص کو نقصان پہنچتا ہے لیکن) پبلک لائف میں بددیانتی سے لاتعداد انسان مجروح ہوتے ہیں اور اس سے ہزارہا ایسے لوگ بے راہ رو ہو جاتے ہیں جن کا آپ پر اعتماد ہوتا ہے۔

زمینداری اور سرمایہ داری

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ مسلم لیگ سرمایہ داروں۔ جاگیرداروں۔ وڈیروں کی جماعت تھی۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان میں کے اکثر لوگ مسلم لیگ کے ساتھ تھے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا قائداعظمؒ نے ان لوگوں کو ساتھ رکھنے کے لئے اپنے اصولوں میں کوئی لچک پیدا کر لی تھی یا ان سے کچھ جھوٹے دعوے کر رکھے تھے۔ قطعاً نہیں۔ انہوں نے انہیں وارن کر دیا تھا کہ پاکستان میں نظامِ سرمایہ داری قطعاً بار نہیں پا سکے گا۔ انہوں نے 1943ء میں آل انڈیا مسلم لیگ (دہلی) کے سیشن میں اعلان کیا تھا کہ:

اس مقام پر میں زمینداروں اور سرمایہ داروں کو بھی متنبہ کرنا چاہتا ہوں۔ وہ ایک ایسے فتنہ انگیز' ابلیسی نظام کی رُو سے' جو انسان کو ایسا بدمست کر دیتا ہے کہ وہ کسی معقول بات کے سننے کے لئے آمادہ ہی نہیں ہوتا' عوام کے گاڑھے پسینے کی کمائی پر رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ عوام کی محنت کو غصب کر لینے کا جذبہ ان کے رگ وپے میں سرایت کر چکا ہے۔ میں اکثر دیہات میں گیا ہوں۔ وہاں میں نے دیکھا ہے کہ لاکھوں' خدا کے بندے ہیں جنہیں ایک وقت بھی پیٹ بھر کر روٹی نہیں ملتی۔ کیا اسی کا نام تہذیب ہے؟ کیا یہی پاکستان کا مقصد ہے! اگر پاکستان سے یہی مقصود ہے تو میں ایسے پاکستان سے باز آیا' اگر ان سرمایہ داروں کے دماغ میں ہوش کی ذرا سی بھی رمق باقی ہے تو

انہیں زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے ساتھ چلنا ہوگا۔ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو ان کا خدا حافظ۔ ہم ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔

دوسری طرف انہوں نے قوم کو اس سے بھی متنبہ کر دیا کہ جس طرح نظام سرمایہ داری خلافِ اسلام ہے اسی طرح کمیونزم کا نظام بھی قرآن کے خلاف ہے۔ چنانچہ انہوں نے 9 مارچ 1944ء کو مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ) کی یونین سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

> اب کچھ دنوں سے ایک پارٹی بہت متحرک ہوگئی ہے۔ وہ ہے کمیونسٹ۔ ان کا پراپیگنڈہ بڑا پُرفریب ہے اور مَیں تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ ان کے جال میں نہ پھنس جانا۔ ان کا پراپیگنڈہ دام ہمرنگِ زمیں ہے۔ ایک خطرناک پھندا ہے۔ وہ سوشلزم، کمیونزم، نیشنل سوشلزم وغیرہ کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ یاد رکھو! ہمارے ہاں ان ''ازمز'' یا اس قسم کی کسی اور ازم کے لئے کوئی جگہ نہیں۔

(تقاریر جناحؒ، جلد دوم، ص73)

پھر انہوں نے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کانفرنس منعقدہ 19 مارچ 1944ء کے آخری اجلاس میں فرمایا:

> یہ کمیونسٹ سمجھتے ہیں کہ ہم بے وقوف ہیں۔ ان کے اس قسم کے مغالطہ میں رہنے کے لئے کچھ وجہ، جواز ضرور ہے لیکن (یہ قصہٴ ماضی ہے) گذشتہ پانچ دس سال میں مسلمانوں میں ایسی تبدیلی آچکی ہے کہ کمیونسٹ انہیں بے وقوف بنانے میں کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔ اس لئے مَیں انہیں متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ ہم سے دستبردار ہوجائیں۔ اگر انہوں نے پھر سے وہی کھیل کھیلنا چاہا تو انہیں ایسا منہ توڑ جواب دیا جائے گا (جسے وہ یاد رکھیں گے)۔ ہم مسلم لیگ کے ہلال اور ستارہ کے پرچم کے سوا کوئی پرچم نہیں چاہتے۔ اسلام ہمارا رہنما بھی ہے اور مکمل ضابطہٴ حیات بھی۔ ہم کوئی زرد یا سُرخ جھنڈا نہیں چاہتے۔ ہم کوئی ازم بھی نہیں چاہتے۔

(بحوالہ 'نوائے وقت' مورخہ 23 اپریل 1976ء)

قائداعظمؒ کے ذوقِ یقین، حسن تدبر، دیانتدارانہ سیاست اور عزمِ راسخ کی بدولت وہ خطہ زمین حاصل ہوگیا جس میں قرآنی نظام مملکت قائم کیا جانا مقصود تھا۔ اس سے ان مذہبی جماعتوں نے جنہوں نے اس کی آخر تک مخالفت کی تھی ہمت نہ ہاری۔ وہ ہجوم کرکے ادھر آ گئیں۔ انہوں نے یہاں آ کر یہ اسکیم مرتب کی کہ یہ خطہٴ زمین تو حاصل ہوگیا ہے لیکن اس میں وہ نظام قائم نہ ہونے پائے جس کے لئے اسے حاصل کیا گیا ہے، قائداعظمؒ نے حصولِ پاکستان کے بعد اعلان کیا تھا کہ کچھ بھی ہو:

یہ مسلمہ بات ہے کہ پاکستان میں کسی صورت میں بھی تھیا کریسی رائج نہیں ہوگی۔ جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں دے دی جاتی ہے کہ وہ (بزعمِ خویش) خدائی مشن کو پورا کریں۔

(تقاریر بہ حیثیت گورنر جنرل، ص65)

قائداعظمؒ ان مخالف قوتوں کو یہ چیلنج دے کر دُنیا سے تشریف لے گئے اور انہوں نے میدان خالی پا کر اپنی اسکیم کو آگے بڑھانا شروع کر دیا۔

یہ حضرات اپنی اسکیم کو اُس دریا کی پرسکوت روانیوں کی طرح آگے بڑھاتے رہے جو سطح پر تو بالکل بے خطر نظر آئے لیکن جس کی تہ میں بڑے بڑے مہیب اژدر اور خوفناک نہنگ چھپے بیٹھے ہوں۔ انہوں نے 1951ء میں، مختلف فرقوں کے نمائندوں پر مشتمل ایک کانفرنس میں یہ ریزولیشن پاس کیا کہ پاکستان کا ضابطہ قوانین ''کتاب وسنت'' کے مطابق مرتب کیا جائے۔ انہوں نے یہ ریزولیشن یہ جانتے ہوئے پاس کیا کہ ایسا کیا جانا ناممکن ہے۔ بیس برس تک اس ناممکن العمل مطالبہ کا شور مچانے کے بعد اگست 1970ء میں خود مودودی (مرحوم) نے یہ اعلان کر دیا کہ کتاب وسنت کے مطابق پبلک لاز کا کوئی ایسا ضابطہ قوانین مرتب نہیں کیا جا سکتا۔ جسے تمام فرقے متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کر لیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ پھر پاکستان میں قانون سازی کی صورت کیا ہو؟ فرمایا کہ یہاں فقہ حنفی نافذ کر دی جائے۔۔۔ وہ فقہ جس کے متعلق ان کا اپنا ارشاد تھا کہ اس نے اسلام کو ''منجمد شاستر'' بنا کر رکھ دیا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ ''منجمد شاستر'' زمانے کے...... بدلنے والے تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اس لئے اس فقہ کے قوانین پر عمل کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ وہ یہ کہہ کر چلے گئے اور ملک کی کشتی کو ایسے گرداب میں پھنسا گئے جس سے نکلنا اس کے بس میں نظر نہیں آتا۔

جس اسلام کو نافذ کرنے کے لئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا اس کے سامنے تو دنیا کی کوئی ازم بھی ٹھہر نہیں سکتی تھی لیکن جو اسلام تھیا کریسی یہاں نافذ کر رہی ہے، اس سے ہماری نوجوان نسل دل برداشتہ ہی نہیں، برگشتہ ہو رہی ہے۔ یہ جو آئے دن پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ ہماری نئی نسل اسلام کے بہت قریب آ رہی ہے، یہ ابلہ فریبی نہیں تو خوش فہمی ضرور ہے۔ یہ نسل اسلام سے (یعنی اس اسلام سے جسے تھیا کریسی یہاں رائج کر رہی ہے) متنفر ہی نہیں، سرکش ہو رہی ہے۔ مذہب سے نفرت اور سرکشی، کمیونزم کے لئے راستہ ہموار کر دیتی ہے۔ خطرہ یہ ہے کہ ہمارا نوجوان طبقہ مروجہ اسلام سے برگشتہ ہو کر کمیونزم کے آغوش میں نہ چلا جائے۔ مذہب گزیدہ نوجوانوں کے لئے یہ پناہ بڑی پُرکشش خوش آئند ہوتی ہے۔ یہ ہے وہ اندیشہ جو ہماری روح میں کپکپی پیدا کر دیتا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ تھیا کریسی کا آخری ردِعمل لادینی ہوتا ہے۔ خود ہماری تاریخ میں، دورِ

ملوکیت کی تھیا کریسی نے ہلاکو خان کو آواز دی تھی۔ ڈر ہے کہ دَورِ حاضر کی ہماری تھیا کریسی روسی آہن کے لئے مقناطیس ثابت نہ ہو جائے۔ حکیم الامت کی نگہ دُور رس نے شاید اسی خطرہ کو بھانپ کر کہا تھا کہ ؎

از خاکِ سمر قندے ترسم کہ دِگر خیزد
آشوبِ ہلاکوئے ہنگامۂ چنگیزے

(پیامِ مشرق، ص192)

خدا کرے کہ ہماری یہ کشتِ آرزو جو اس مردِ درویش کے پاکیزہ آنسوؤں اور اس صاحب عزمِ عظیم کی مجاہدانہ گرم جوشیوں سے پروان چڑھی تھی، اس بادِ سموم کی شعلہ باریوں سے محفوظ رہے لیکن قرائن بتا رہے ہیں کہ ہماری یہ دعائیں، تھیا کریسی کی آوردہ اور پروردہ بلاؤں کی حریف شاید ہی ہو سکیں! جب جھکڑ چلتا اور سیلاب امنڈتا ہے تو وہ دیر و حرم میں تمیز نہیں کیا کرتا۔ اسی لئے قرآن نے کہا تھا۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ(8:25)

اُس فتنہ سے محتاط رہو جو (جب اٹھتا ہے تو) انہی تک محدود نہیں رہتا جنہوں نے ظلم کی روش اختیار کر رکھی تھی۔ (وہ سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا کرتا ہے)۔ یاد رکھو! خدا کے قانونِ مکافات کا مواخذہ بڑا سخت ہوتا ہے۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملّت کے گناہوں کو معاف

(ضربِ کلیم، ص85)

ملوکیت۔ سرمایہ داری۔ تھیا کریسی۔ ملت کے وہ گناہ ہیں۔ جو کبھی معاف نہیں ہو سکتے۔ یہ گناہ قوموں کو لے ڈوبتے ہیں اور جب قوم ڈوب جائے تو افراد کیسے بچ سکتے ہیں؟

❁❁❁❁❁

نہ ہو نومید نومیدی زوال علم و عرفاں ہے	امید مرد مومن ہے خدا کے راز دانوں میں
نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر	تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بسلسلہ یومِ آزادی

قرآنی نظریۂ قومیت

عنوانِ بالا کے تحت لکھا گیا مضمون 16 اگست 2009ء کو ایک تقریب میں پڑھا گیا تھا جو کہ ادارہ طلوعِ اسلام کے تحت یومِ آزادی کے سلسلہ میں منعقد کی گئی تھی۔ مضمون پڑھنے کے بعد سامعین کی طرف سے کئے جانے والے سوالات کے جوابات بھی محترم ڈاکٹر انعام الحق صاحب نے دیے تھے۔ یہ مقالہ طلوعِ اسلام کے قارئین کے لئے یک بارِ دگر پیش کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

عزیزانِ گرامی قدر! السلام علیکم۔

میں بزمِ طلوعِ اسلام لاہور کا دلی ممنون ہوں کہ انہوں نے یومِ پاکستان کی اس باسٹھویں تقریب میں خصوصی طور پر خطاب کے لئے میرا انتخاب کیا۔ یہ میرے لئے بہت اعزاز اور فخر کی بات ہے۔ عزیزانِ گرامی قدر! یومِ پاکستان کی اس تقریب کے حوالے سے خطاب کے لئے ''قرآنی نظریۂ قومیت'' کا انتخاب کیا گیا ہے۔

کسی حکیم نے بڑے پتہ کی بات کی تھی کہ آپس میں بات چیت کرنے سے پہلے جو الفاظ یا اصطلاحات موضوع گفتگو بنیں، ان کا مفہوم واضح ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اس ضمن میں مقرر اور سامعین کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ ایک ہی مفہوم سے متفق ہوں۔ اس کے بغیر بات مزید آگے نہیں بڑھ سکتی۔

تحقیق کے طالب علم کو پڑھایا جاتا ہے کہ وہ اپنی تحریر یا تقریر میں جو الفاظ یا اصطلاحات استعمال کریں، وہ عصر حاضر کے ان مفہوم کو ادا کریں جو علمی حلقوں میں مستند ترین مانا جاتا ہو۔ لہٰذا مناسب ہوگا کہ میں اپنے خطاب کے عنوان کے تینوں الفاظ/ اصطلاحات کا مفہوم بیان کر کے اس میں آپ لوگوں کو شریک کروں۔

پہلے لفظ ''قرآنی'' سے فطرتی طور پر وہی مفہوم لیا گیا ہے جس کی وضاحت خود قرآن نے عربی مبین اور تصریفِ آیات کی رو سے کی ہے۔ دوسری اصطلاح نظریہ کا مفہوم علم کی زبان میں یوں درج ہے۔

(1) حقائق وواقعات، اشیاء وحوادث کو ایک مثالی اور عمومی زاویہ یا رشتہ میں دیکھنا۔

(2) سیاقِ علمی میں کسی مسئلہ سے متعلق معلومات کو ان کے مجرد علائق میں دیکھنا تاکہ مسئلہ کی تفہیم ہو سکے۔

(3) ایک مجرد ضابطہ، عمومی اصول، ماڈل جو کسی مظہر کی توجیہہ کے لئے قبول یا پیش کیا جائے۔

تیسری اصطلاح ''قومیت'' کی اصطلاح Nation بمعنی ملت' قوم سے مراد معاشرتی گروہ لیا جاتا ہے جو ثقافتی لحاظ سے ہم رنگ ہو اور اسے اپنی نفسی زندگی اور اس کے اظہار کی وحدت کا پورا پورا شعور ہو۔ اس کے افراد کے کچھ رشتے قدرتی طور پر اتنے مضبوط ہوتے ہیں کہ وہ اکٹھے خوش کن زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ جدید نظریہ یہ ہے کہ ہر قوم کو اپنی ایک الگ ریاست بنانی چاہیے۔

پہلی تعریف قوم کے تناظر میں سامنے لائی گئی ہے جبکہ قومیت کی اصطلاح کا مفہوم یوں درج ہے۔

''روحانی جذبہ جو ان لوگوں میں پیدا ہوتا ہے جن میں نسل کا اشتراک ہو۔ وہ ایک ہی علاقے پر آباد ہوں۔ ان میں زبان' ادب' مذہب' ثقافت' تاریخ' روایات' مفادات' سیاسی روابط اور سیاسی وحدت کا اشتراک ہو۔

عزیزانِ گرامی قدر! ان اصطلاحات کے مفہوم کی وضاحت سے ہم سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے موضوع ''قرآنی نظریہ قومیت'' کی طرف لوٹ آئیں اور اس کے نظریہ پاکستان کے ساتھ تعلق پر روشنی ڈال سکیں۔ نظریہ پاکستان کے بارے میں محترم منیر صاحب (ریٹائرڈ) چیف جسٹس آف پاکستان نے اپنی کتاب From Jinnah to Zia کے دوسرے ایڈیشن میں فرمایا ہے کہ قائداعظم پاکستان میں سیکولر سٹیٹ قائم کرنا چاہتے تھے۔ سیکولر کا لفظ شاید ہمارے کچھ احباب کے لئے غیر مانوس ہو۔ لہٰذا میں چاہوں گا کہ اس اصطلاح کا بھی علمی مفہوم سامنے لایا جائے۔ علم میں سیکولر (عصری) سے مراد ہے کہ

(1) لاطینی زبان میں لغوی طور پر جس کا تعلق وقت (تاریخ)' قبیلہ' نسل یا امور عالم سے ہو۔

(2) ایسے امور جن کا تعلق عصری زندگی سے ہو۔ سماجی امور و معاملات بمقابلہ پروہتانہ یا کلیسائی امور انتظامی۔

(3) وہ امور مثلاً تعلیم' اخلاق اور شہری یا مملکتی نظم و نسق جو کلیسائی انتظامیہ سے آزاد سمجھے جائیں۔

(4) ارض بمقابلہ ماورائی اور روحانی۔ (5) عام معنوں میں خلاف مذہب (دین)۔

جسٹس منیر کے پاکستان میں قائداعظم کا سیکولر ریاست کے قیام کے دعویٰ کو نظریہ پاکستان کی دونوں مقتدر ہستیوں نے واضح طور پر مسترد کیا ہوا ہے۔ علامہ اقبال کی وضاحت میں ہم ان کے ایک ہی مصرع کو سامنے لا رہے ہیں' جن میں انہوں نے فرمایا کہ:

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اسی طرح ہم قائداعظم کے متعدد اقوال کے ذکر کرنے کی بجائے صرف ان کا ایک ہی جامع اور واضح قول درج کر رہے ہیں' جو انہوں نے عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد (دکن) کے طلباء کو 1941ء میں انٹرویو دیتے ہوئے پاکستان کے دفاع میں کہا تھا کہ:

''اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا واحد ذریعہ قرآن مجید کے احکام و اصول ہیں۔ ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں کہ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے اور حکمرانی کے لئے آپ کو علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے۔''

میں سمجھتا ہوں کہ قائداعظم کے اس دوٹوک اور واضح موقف کے بعد کہ وہ مطالبہ پاکستان اس نظریہ سے کر رہے ہیں کہ

وہاں وہ قرآنی نظام کا عملاً نفاذ کرواسکیں' ان سے منسوب بیان کہ وہ پاکستان میں سیکولر نظام کے داعی تھے اس کا متقاضی نہیں ہے کہ اس کو خاطر میں لا کر وقت کا ضیاع کیا جائے۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوجاتی ہے کہ قائداعظم کا نظریہ پاکستان قرآنی نظریہ قومیت ہی پر مبنی تھا اور یہی ہمارے خطاب کا موضوع ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ قرآنی نظریہ قومیت کی غیر مبہم انداز میں واضح دوٹوک الفاظ میں وضاحت کی جائے۔ عزیزانِ گرامی قدر!

قرآن کے نظامِ حکومت کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ تمام نوع انسان کو ایک قوم (عالمگیر برادری) قرار دیتا ہے۔ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً (2:213)۔ اس لئے وہ رنگ' نسل' زبان اور وطنیت کی بناء پر انسانوں کو مختلف گروہوں (قوموں) میں تقسیم کرنے کے خلاف ہے۔ وطنیت کی بناء پر تقسیم کو علامہ اقبال نے بھی اپنے مخصوص انداز میں اس کی یوں سرزنش کی ہے کہ ؎

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے — جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

قرآن نے تو نسل اور قبیلہ کے نام سے پکارے جانے کا مقصد سورہ الحجرات (49:13) میں چار الفاظ میں بیان کر دیا کہ ''وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا'' خاندان یا قبیلے (جن کی بنیاد پر قوم کی تشکیل ہوتی ہے) سے مقصود صرف اس قدر ہے کہ تمہیں ایک دوسرے کو پہچاننے میں آسانی ہو۔ قرآن ساری دنیا کو ایک ملک اور تمام انسانوں کو ایک وحدت بتاتا ہے اور ان میں تفریق کا صرف ایک ہی معیار قرار دیتا ہے یعنی نظریاتی فرق۔ بالفاظِ دیگر دنیا کے تمام وہ انسان جو وحی کی رو سے متعین کردہ مستقل اقدار کو زندگی کا نصب العین قرار دیں' اس کے نزدیک ایک قوم کے افراد ہیں (خواہ دنیا کے کسی حصے کے رہنے والے اور کسی نسل سے متعلق ہوں) اور وہ لوگ جو اس نصب العین کے خلاف کوئی اور نصب العین قرار دیں' اس کے نزدیک وہ دوسری قوم کے افراد۔ اس کو قرآن کی اصطلاح میں کفر اور مومن کی تقسیم کہا جاتا ہے۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ (64:2)۔ اس (خدا) نے تمہیں انسانی پیکر عطا کیا۔ تم میں سے بعض کافر اور بعض مومن ہوجاتے ہیں ان دو گروہوں کے علاوہ اور کوئی معیارِ قومیت قرآن کی رو سے قابلِ قبول نہیں۔

قومیت کے تناظر میں پہلے گروہ کافر کا زندگی کے متعلق مختصر طور پر نظریہ ہے کہ انسان بھی (دیگر حیوانات کی طرح) صرف طبیعی جسم رکھتا ہے۔ اس کا جسم طبیعی قوانین کے مطابق زندہ رہتا ہے اور کچھ وقت کے بعد' انہی قوانین کے مطابق اس کی مشینری رک جاتی ہے۔ اسے اس کی موت کہتے ہیں' جس سے فرد کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ اس امر کی وضاحت ہمیں قرآن کریم سے بھی ملتی ہے۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (47:12) لیکن جو لوگ اس حقیقت سے انکار کرتے ہیں (اور سمجھتے ہیں کہ زندگی بس اسی دنیا کی زندگی ہے) تو ان کی زندگی اور حیوانات کی زندگی میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ وہ انہی کی طرح کھاتے پیتے' سامانِ زیست سے فائدہ اٹھاتے (اور مر جاتے ہیں)۔ اس تصور زندگی کا نتیجہ (شرفِ انسانیت کی) تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس کے بالمقابل دوسرے گروہ مومنین کا نظریہ زندگی یہ ہے کہ انسان صرف طبیعی جسم سے عبارت نہیں۔ اس کے پاس جسم کے علاوہ ایک اور شے بھی ہے جو حیوانات کو نہیں ملی' صرف

انسان کو عطا ہوئی ہے۔ اسے انسانی ذات یا نفس کہتے ہیں۔ انسانی ذات نہ مادی ارتقاء کی پیداوار ہے اور نہ طبیعاتی قوانین کے تابع۔ یہ ہر انسانی بچہ کو خدا کی طرف سے پیدائش کے ساتھ عطا ہوتی ہے۔ انسانی ذات نشوونما یافتہ شکل میں نہیں ملتی بلکہ مضمر اور امکانی صورت میں ملتی ہے۔

انسانی ذات کی ماہیت کیا ہے یہ نہ بتایا جا سکتا ہے اور نہ سمجھا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ یہ کوئی مادی شے نہیں۔ انسانی ذات کو خدا نے ''جدید یا منفرد تخلیق'' سے تعبیر کیا ہے۔ اس لئے یہ نہ تو طبعی ارتقاء کی پیداوار ہے اور نہ ہی طبعی قوانین کے تابع جن کے مطابق انسانی مشینری زندہ اور مصروفِ عمل رہتی ہے۔ انسانی ذات کا مظاہرہ اس کے اختیار وارادہ سے ہوتا ہے۔ اس لئے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک غیر مادی ''شے'' ہے جو اختیار وارادہ کی صلاحیت رکھتی ہے اور اس اختیار وارادہ کی آزادی میں انتخاب کرنے میں اسے عقل اور علم کی دونوں صلاحیتوں سے نوازا گیا ہے۔

جس طرح انسانی جسم کی نشوونما کے قوانین مقرر ہیں، اسی طرح انسانی ذات کی نشوونما کے لئے بھی خدا کی طرف سے قوانین دیئے گئے ہیں۔ انسانی جسم کی پرورش اس چیز سے ہوتی ہے جسے وہ شخص خود کھائے یا استعمال کرے۔ اس کے برعکس، انسانی ذات کی پرورش ہر اس شے سے ہوتی ہے جسے وہ شخص دوسروں کی نشوونما کے لئے دے دے۔ بالفاظِ دیگر، جسم کی پرورش، لینے سے ہوتی ہے ذات کی پرورش ''دینے'' سے اَلَّذِیۡ یُؤۡتِیۡ مَالَہٗ یَتَزَکّٰی ﴿۱۸﴾ (92:18) وہ شخص جو ہر اس چیز کو (مالی یا علمی نوعیت وغیرہ کی) جو اس کے پاس ہے وہ دوسروں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے دے دیتا ہے تا کہ اس کی ذات کی نشوونما ہو جائے اور جس کی ذات کی نشوونما ہو جاتی ہے وہی مقصدِ حیات میں کامیاب ہوتا ہے۔ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی ﴿۱۴﴾ (87:14) لہٰذا انسانی ذات کی نشوونما کے لئے ضروری ہے کہ انسان اجتماعی زندگی بسر کرے۔ اس کے بغیر اس کی ذات کی نشوونما نہیں ہو سکتی۔ انسان کو سیاست میں ''تمدنی جانور'' اسی لئے کہا جاتا ہے کہ معاشرہ کے اندر رہنا اس کی جبلت میں شامل ہے۔ ذات کی نشوونما کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ایسا معاشرہ قائم کیا جائے جس میں ہر شخص کی جسمانی ضروریات بھی بآسانی پوری ہوتی رہیں اور اس کے ساتھ اسے اس کی ذات کی نشوونما کے پورے پورے مواقع اور اسباب وذرائع بھی میسر ہوں۔ ایسے معاشرہ کو قرآن جنتی معاشرہ سے تعبیر کرتا ہے جو اس کے قانون کے مطابق متشکل ہوا ہو۔ اس میں ہمارا دوسرا گروہ جماعتِ مومنین کا شامل ہوتا ہے جو قرآنی نظریہ قومیت پر ایمان رکھتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ: فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ ﴿۲۹﴾ وَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ ﴿۳۰﴾ (89:29-30)۔ تم (جماعتِ مومنین) کی جماعت میں شامل ہو جاؤ اور اس طرح جنتی معاشرہ میں داخل ہو جاؤ۔

یہ بھی یاد رہے کہ نشوونما یافتہ ذات، انسانی جسم کی موت کے ساتھ فنا نہیں ہوتی، بلکہ بدستور زندہ رہتی اور مزید ارتقائی منازل طے کرنے کے لئے آگے بڑھتی ہے۔ ایک چیز ہے حیات بعد الممات (Survival after death) اور دوسری چیز حیاتِ جاوداں (Immortality)۔ حیات بعد الممات تو ہر ذی شعور انسان کے لئے ہے لیکن حیاتِ جاوداں صرف اس

ذات کے حصے میں آ سکتی ہے جس کی باقاعدہ نشوونما ہو چکی ہو۔ حیاتِ جاوداں ملنے سے مراد یہ ہے کہ دنیاوی زندگی کی طبیعی موت کے بعد' اسے پھر موت نہیں آئے گی۔ قرآن کریم کے الفاظ میں: لَا یَذُوقُوْنَ فِیْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰی (44:56) یہ لوگ اس میں' اس پہلی موت کے علاوہ (جس کا مزدہ وہ پہلے چکھ چکے ہیں) موت کا مزہ نہیں چکھیں گے۔''

لہٰذا وہ زندگی کی مزید ارتقائی منازل طے کریں گے۔

عزیزانِ گرامی قدر! امید ہے دونوں سیکولر اور قرآنی نظریہ قومیت آپ کی نظروں میں آ گیا ہوگا اور آپ قرآنی نظریہ کی اہمیت سے بھی بخوبی واقف ہو گئے ہوں گے۔

ان دونوں سیکولر اور قرآنی نظریہ قومیت کی وضاحت محترم پرویز نے قرآن کی روشنی میں اپنے مخصوص انداز میں اول الذکر کو مذہب اور دوسرے کو دین کے عنوان سے پیش کر کے کی ہے۔ ہم ملاحظہ کر چکے ہیں کہ سیکولر نظام حکومت میں قومیت کا مدارِ اشتراک نسل یا وطن ہے۔ وطن کو ایک خاص خطہ پر محدود کر کے وہاں حکومت انسانوں کے وضع کردہ قوانین سے کی جاتی ہے۔

اس کے برعکس نظریہ پاکستان پیش کرنے والی دونوں مقتدر ہستیوں نے قرآنی نظریہ قومیت (وحی) پر مبنی اپنے نظریہ پاکستان کو ایمان کا اشتراک قرار دیا اور پوری عالمگیر انسانیت کو خطاب کیا ہے۔ مذہب اور دین کے تقابل میں سمجھنے کی یہ بات اہمیت رکھتی ہے کہ سیکولر (عصری) نقطہ نگاہ سے دین کو مذہب ہی کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس علامہ اقبال اور قائداعظم اپنے نظریات میں مذہب کے لئے کوئی جگہ نہیں پاتے۔ وہ دین اور صرف دین ہی کے تناظر میں نظریہ پاکستان پیش کرتے ہیں۔

پاکستان کے دانشور طبقہ میں قائداعظم کے دین کے نظریہ (جس کی آگے وضاحت کی جا رہی ہے اسے جہالت اور لاعلمی کی بنا پر ان پر سیکولر نظام کے نفاذ کرنے کو منسوب کیا جا رہا ہے۔ قائداعظم کے نظریہ دین کی وضاحت بہت ہی کم پلیٹ فارم سے سنائی دیتی ہے' اس لئے کچھ دانشور طبقوں کی نظر میں دین' مذہب ہی کی شکل میں ہوتا ہے۔ مذہب کی مخالفت تو خود قائداعظم کی طرف سے بھی ہوتی ہے' اور یہ نام نہاد دانشور طبقہ مذہب اور دین کے فرق سے لاعلم ہونے کی بنا پر قائداعظم پر سیکولر ہونے کا الزام لگا دیتے ہیں۔

لہٰذا ان دونوں نظریات کا تقابل پیش کیا جاتا ہے۔

مذہب اور دین کا تقابلی جائزہ

مذہب (سیکولر نظریہ)	دین (قرآنی نظریہ قومیت)
1- مذہب' خدا اور بندے کے درمیان پرائیویٹ تعلق اور داخلی تجربہ کا نام ہے۔	دین اجتماعی نظام زندگی اور خارجی حقیقت ہے۔
2- مذہب میں ہر فرد اپنے طور پر مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس کا خدا کے ساتھ رشتہ قائم ہو گیا ہے۔	دین میں معاشرہ کا انداز اور آئین بتا سکتے ہیں کہ وہ قوانین خداوندی کے مطابق متشکل ہوا ہے یا نہیں۔

3- مذہب میں ہر فرد کا منتہیٰ اپنی اپنی نجات ہوتا ہے۔	دین کا مقصود عالمگیر انسانیت کی فلاح و بہبود ہوتا ہے۔
4- مذہب میں کوئی خارجی معیار ایسا نہیں ہوتا جس سے پرکھا جا سکے کہ انسان کے اعمال صحیح نتائج پیدا کر رہے ہیں یا نہیں۔	دین میں اجتماعی زندگی کے نتائج ساتھ کے ساتھ بتاتے چلے جاتے ہیں کہ ملت صحیح راستے پر چل رہی ہے یا نہیں۔
5- مذہب انسان کو مختلف فرقوں میں تقسیم کر دیتا ہے اور اس میں ہر فرقہ اپنے آپ کو حق پر سمجھ کر خوش ہوتا ہے۔	دین میں تفرقہ کو شرک کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ پوری نوعِ انسانی سے مخاطب اور اس کا رب، رب العالمین اور رسول رحمۃ العالمین کا مقام رکھتے ہیں۔
6- مذہب عوام کے جذبات کے پیچھے چلتا ہے اور ان کی تسکین کا سامان فراہم کئے چلا جاتا ہے۔ اس لئے اس کی تعلیم یہ ہے۔ زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز	دین، انہیں حقائق کے پیچھے چلاتا ہے اور ان کے سطحی جذبات کی تسکین کی بجائے ان پر قابو پانے کا پیغام کی تعلیم یوں دیتا ہے۔ زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز
7- مذہب انسان کے دل میں ہر وقت خوف پیدا کرتا رہتا ہے اور اپنی ہر بات ڈر سے منواتا ہے۔	دین خوف کو شرک قرار دیتا ہے اور انسان کے دل کو جرأت اور بے باکی کا مسکن بناتا ہے۔
8- مذہب کشمکشِ حیات سے فرار سکھاتا ہے۔	دین زندگی کے حقائق کا مردانہ وار مقابلہ کرتا ہے۔
9- مذہب تقدیر کے بہانے انسان کو بے عمل بنا دیتا ہے۔	دین، اسے تقدیر شکن قوت عطا کر کے، حرکت و عمل کا شعلۂ جوالہ بنا دیتا ہے۔
10- مذہب خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات کا نام عبادت رکھ کر انسانوں کو خود فریبی میں مبتلا رکھتا ہے۔	دین، اسے وسعتِ افلاک میں تکبیر مسلسل کا پیغام دیتا اور نظامِ خداوندی کو دنیا کے ہر نظامِ باطل پر غالب کرنے کو عبادت کی غایت بتاتا ہے۔
11- مذہب، کائنات کی ہر حسین شے پر منہ بسورنا اور نعمائے خداوندی سے اجتناب سکھاتا ہے۔	دین اعلان کرتا ہے کہ وہ کون ہے جو زیب و زینت کی ان چیزوں کو حرام قرار دے سکتا ہے، جنہیں اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے (القرآن)۔
12- مذہب ہر جدت (نئی چیز) کو گناہ قرار دینے تک لے جاتا ہے۔	دین کہتا ہے کہ کل یوم ھو فی شان۔ زندگی کے تقاضے ہر دور میں بدلتے رہتے ہیں اس لئے جدت طرازی عین تقاضائے حیات ہے۔

مذہب	دین
13- مذہب اپنے پیغام کے حق کی دلیل میں اسے اسلاف کا مسلک قرار دے کر بطور سند پیش کرتا ہے۔ ان کی طرف سے پیش کردہ عقائد پر ایمان بلا علم و دلیل لانے پر زور دیا جاتا ہے۔	دین انسان کی علمی اور عقلی صلاحیتوں کو جلا دینے کا موجب اور اسلاف کے مسالک پر بلا دلیل پیروی سے منع کرتا ہے۔ وہ اپنے ہر دعویٰ کو دلیل اور برہان سے پیش کرتا ہے اور عقل و تدبر سے کام لینے کی تاکید بھی۔
14- مذہب کا تصور مفاد پرست انسانوں کے ذہن کا تراشیدہ ہے۔ ان میں سبھی ملوکیت (فرعون)، سرمایہ دارانہ (قارون) اور مذہبی پیشوائیت (ہامان) کے نمائندے باہمی اشتراک سے دوسروں کی محنت سے کمائی پر عیش کی زندگی بسر کرنے کے لئے ہر جائز و ناجائز حیلے تراش کر مذہب میں شامل کر لیتے ہیں۔ خود مترفین بن کر دوسروں کو محکوم بنا لیتے ہیں۔	دین مذہب کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسانوں کو آزادی کی دعوت دیتا ہے کہ کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے انسان کو اپنا محکوم اور اطاعت گذار بنائے۔ اطاعت صرف خدا (اس کے قوانین) کی کی جا سکتی ہے اور یہ قانون سب کے لئے برابر ہونے کی وجہ سے تمام نوعِ انسانی کے لئے مساوات کا پیغام رکھتا ہے۔

اس لئے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ قرآن نے نوعِ انسانی کی ہدایت کے لئے دین ہی کو پیش کیا ہے اور اسے ہی اسلام کا نام دیا ہے۔ لہٰذا مسلم مذہب کی نہیں دین کی اطاعت کرتا ہے۔ عزیزانِ گرامی قدر! محترم پرویز صاحب کے دیئے ہوئے مذہب اور دین کے تقابل سے امید ہے کہ دونوں نظریات کا فرق واضح ہو گیا ہوگا۔ لہٰذا اب وقت آ گیا ہے کہ بات کو آگے بڑھایا جائے۔ ہمیں یہ بات ملحوظِ نظر رکھنی چاہئے کہ قرآنی نظریہ قومیت پر ایمان رکھنے والوں کے لئے انسانی ذات کی نشوونما کے لئے صرف معاشرہ کی موجودگی ہی کافی نہیں بلکہ ایسے معاشرہ کی موجودگی ضروری خیال کی جاتی ہے جہاں قرآنی اقدار کا عملاً نفاذ بھی ہو جس میں قرآنی معاشرہ کی تمام خصوصیات شامل ہوں۔

قرآنی معاشرہ میں کیا ہوگا۔۔۔؟

1- قرآنی معاشرہ میں ہر شخص کی عزت بلاتمیز قوم، رنگ، نسل، پیشہ، محض اس کے انسان ہونے کی جہت سے ہوگی۔ کسی کو پست یا ذلیل نہیں سمجھا جائے گا۔ برتری کا معیار یہ ہوگا کہ کوئی شخص اپنے فرائض کی بجا آوری میں کس قدر محنت اور دیانت سے کام لیتا ہے اور نوعِ انسان کو فائدہ پہنچانے کی خاطر کیا کرتا ہے۔

2- کوئی شخص بے کس و لاچار اور بے یار و مددگار نہیں ہوگا۔ ہر ایک کی بات سنی جائے گی، اور تکلیف رفع کی جائے گی۔ ہر شخص کو انصاف ملے گا اور بغیر کچھ خرچ کئے ملے گا۔ کوئی صاحب اثر انصاف کے پلڑے کو اپنی طرف نہیں جھکا سکے گا۔

3- کوئی فرد بھوکا ننگا یا بے گھر نہیں رہے گا۔ تمام افراد کے لئے خوراک، لباس اور مکان کا انتظام کرنا معاشرہ کے ذمہ ہو گا۔ یعنی قرآنی معاشرہ ہر شخص کی اور اس کی اولاد کی ضروریات زندگی بہم پہنچانے کا ذمہ دار ہوگا۔

4- معاشرہ کی یہ بھی ذمہ داری ہوگی کہ ہر شخص کی تعلیم و تربیت کا پورا پورا انتظام کرے جس سے انسان کی صلاحیتوں کی

نشوونما ہو۔ بالفاظ دیگر معاشرہ کا وجود فرد کی ذات کی تکمیل کے لئے ہوگا۔

5- ہر شخص اپنی پوری استعداد و محنت سے کام کرے گا۔ صرف وہ افراد کام نہیں کریں گے' جو کسی وجہ سے کام کرنے سے معذور ہو گئے ہوں' یہ نہیں ہوگا کہ کچھ لوگ تو محنت کرتے کرتے ہلکان ہو جائیں اور باقی لوگ ان کی کمائی پر مفت میں عیش اڑائیں۔

6- ہر شخص اپنی محنت کے ماحصل میں سے اپنے لئے صرف اتنا رکھے گا جس سے اس کی مناسب ضروریات پوری ہوں۔ باقی اپنے دل کی رضامندی سے حاجت مندوں کی ضروریات کے لئے کھلا رکھے گا۔ ذات کی نشوونما کا یہی طریق ہے۔

7- رزق کے سرچشمے (خواہ وہ زمین کی شکل میں ہوں یا کارخانوں کی صورت میں) قرآنی معاشرہ کی تحویل میں رہیں گے تاکہ وہ افراد معاشرہ کی پرورش کے کام آئیں۔ جب افراد کی ضروریات زندگی کی ذمہ داری معاشرہ کے سر ہوگی اور رزق کے سرچشمے حاجت مندوں کے لئے کھلے رہیں گے تو کسی کے لئے دولت سمیٹ کر جمع کرنے اور جائیدادیں بنانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔

8- ہر معاملہ کا فیصلہ خدا کے احکام (قرآن کریم) کے مطابق ہوگا نہ کہ کسی خاص گروہ یا طبقہ کی مرضی کے مطابق (اس معاشرہ میں گروہوں' لیڈروں اور پارٹیوں کا وجود ہی نہیں ہوگا۔) اس لئے اس میں نہ کسی قسم کا جور ہوگا نہ استبداد' نہ ظلم ہوگا نہ زیادتی۔ اسے نظام خداوندی یا قرآنی نظام معاشرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

9- ہر شخص کھل کر بات کرے گا۔ اس کے دل میں نہ کسی طرف سے نقصان پہنچنے کا ڈر ہوگا نہ کسی کو نقصان پہنچانے کا خیال۔ ایک دوسرے پر اعتماد و بھروسہ ہوگا اور فریب کی گنجائش نہیں ہوگی۔ اس طرح گھروں کے اندر سکون اور معاشرہ کے اندر اطمینان ہوگا۔

10- یہ سب کچھ اس لئے ممکن ہوگا کہ ہر شخص قوانین خداوندی کے محکم اور مکافات عمل کے برحق ہونے پر یقین رکھے گا۔ یہ نظام قائم ہی ان بنیادوں پر ہوگا۔ اس میں قرآن کریم کی مستقل اقدار عملاً نافذ ہوں گی۔

ہوسکتا ہے کہ کچھ احباب کے دل میں یہ خیال آ رہا ہو کہ ایسے قرآنی معاشرہ کے قیام کا خیال ایک خیالی معاشرہ (Utopia) ہو۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ خیالی معاشرہ نہیں بلکہ درج ذیل طریق سے ہر دور میں قابلِ العمل ہے۔

قرآنی نظام کے نفاذ کے لئے طریقِ کار

جو جماعت کسی مستقل قدر یا غیر متبدل اصول کی پابند نہیں ہوتی' وہ اپنے نظام کو نافذ کرنے کے لئے جو طریق بھی چاہے' اختیار کر سکتی ہے۔ ان کے نزدیک طریق کار کے جائز یا ناجائز ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جو طریق بھی حصولِ مقصد کے لئے مدد و معاون ہو' وہ ان کے ہاں جائز قرار پاتا ہے۔ ان کے برعکس جو جماعت مستقل اقدارِ حیات اور غیر متبدل اصولوں پر ایمان رکھے' اس کے نزدیک ذرائع اور مقصد میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ ان کا مقصد حق پر مبنی ہوتا ہے اور وہ اس کے حصول کے لئے ذرائع بھی وہی اختیار و استعمال کر سکتی ہے جو مبنی برحق ہو۔ وہ اس حقیقت پر یقین رکھتی ہے کہ غلط راستہ کبھی صحیح منزل تک نہیں پہنچا سکتا' لہٰذا' جو جماعت قرآن کا نظام نافذ کرنا چاہے وہ کبھی کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کر سکتی جو قرآن کی رو سے باطل ہو۔ لوٹ مار' قتل و غارت گری' خلفشار' انتشار وغیرہ قرآن کے نزدیک سخت مذموم اور جھوٹ' فریب' مکاری' عیاری

بدترین جرائم ہیں۔ وہ اس طریق کار کو فساد قرار دیتا ہے اور مفسدین اس کے نزدیک بدترین خلائق ہیں۔ اس کا طریق انقلاب ہے فساد نہیں اور ان دونوں میں جو بنیادی فرق ہے اس کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ بالخصوص اس لئے کہ آج کل بدقسمتی سے فساد ہی کو انقلاب کہہ کر پکارا جا رہا ہے۔ قرآن کریم کے نزدیک خارجی دنیا (یا نظام) میں کوئی صحیح تبدیلی پیدا نہیں ہوسکتی جب تک اس تبدیلی کی متمنی جماعت کے افراد کے قلب ونگاہ میں' قرآنی اقدار کے مطابق تبدیلی پیدا نہ ہو۔ وہ قلب ونگاہ کی اس داخلی تبدیلی کو انقلاب قرار دیتا ہے۔ قلب ونگاہ میں اس قسم کی تبدیلی کا کام' ایک دن کی بات نہیں۔ یہ مرحلہ بڑا صبر آزما اور ہمت طلب بھی ہوتا ہے اور کافی وقت کا متقاضی بھی۔ اس مرحلہ میں صبر طلبی ہی دشواری نہیں ہوتی بلکہ قلب ونگاہ میں تبدیلی پیدا کرنے کا یہ مرحلہ بڑا غیر مرئی اور غیر محسوس ہوتا ہے۔ اس میں بظاہر نہ کوئی حرکت نظر آتی ہے نہ حرارت۔ اس لئے سطح بین نگاہیں اسے ''بے عملی'' سے تعبیر کر دیتی ہیں اور ان کے اس طعن سے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود اس جماعت کے زیرِ تربیت افراد' اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ دنیا بہت آگے نکلے جا رہی ہے اور ہم یونہی اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ لیکن قرآنی جماعت نہ اغیار کے اس قسم کے طعنوں سے متاثر ہوتی ہے نہ خود اپنے اندر کے افراد سے مصالحت کی خاطر اپنا راستہ بدلنے کے لئے تیار۔ خود نبی اکرم ﷺ اور جماعتِ مومنین کی مکی زندگی کے تیرہ سالہ طول طویل (اور بظاہر بے حس وحرکت) مدت اس صبر طلبیٔ عشق کی مظہر تھی۔ جب اس جماعت کے افراد میں قلب ونگاہ کی ایسی تبدیلی اور سیرت وکردار میں ایسی پختگی پیدا ہو جاتی ہے تو پھر وہ اس نظام کے قیام کے لئے عملی قدم اٹھاتی ہے اور اس میں کوئی حربہ ایسا استعمال نہیں کرتی جسے قرآن فساد قرار دیتا ہو۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس منزل کے حصول کے بعد قرآنی معاشرہ کا قیام درج ذیل اقدامات سے ممکن العمل ہوسکتا ہے۔

1- ایک آزاد مملکت اس امر کا اعلان کرے کہ اس کا تمام کاروبار' قرآنِ کریم کے مطابق ہوگا۔

2- قرآنِ کریم میں کچھ احکام وقوانین' متعین شکل میں دیئے گئے ہیں اور بعض اقدار' اصول کے طور پر بیان ہوئی ہیں۔ قرآن کے احکام وقوانین ہوں یا اصول واقدار' سب غیر متبدل ہیں اور تمام مسلمانوں پر ہمیشہ کے نافذ العمل رہنے کے لئے دی گئی ہیں۔

3- جن اقدار کے صرف اصول دیئے گئے ہیں' مملکت کے اربابِ فکر ونظر' نمائندگانِ ملت' ان اصولوں کی روشنی میں' اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق' ان سے جزئی قوانین مرتب کریں گے۔ ایسا کرنے میں وہ احادیث' تاریخ' فقہ کو اپنے سامنے رکھیں گے اور ان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے زمانے کی ضروریات کے مطابق' قوانین مرتب کریں گے۔ جو کچھ پیچھے سے چلا آ رہا ہے' اس میں سے جو قوانین ایسے ہوں گے جو قرآنی اصولوں کے مطابق ہیں اور جو ہمارے زمانے کی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں' انہیں ایسے ہی رہنے دیا جائے گا۔ جن میں تبدیلی کی ضرورت ہوگی' ان میں تبدیلی کر لی جائے گی۔ جہاں نئے قانون کی ضرورت ہو' نیا قانون بنا لیا جائے گا۔ اس طرح قرآن کے اصول غیر متبدل رہیں گے اور ان کے اندر وضع کردہ قوانین' زمانے کی ضرورتوں کے ساتھ ساتھ' بدلتے جائیں گے۔ یوں مستقل اور قابل تغیر وتبدل عناصر کے حسین امتزاج سے' کاروانِ ملت آگے بڑھتا چلا جائے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منگورہ سوات میں یومِ پرویز (علیہ الرحمہ) پر چیئرمین ادارہ کا خطاب

الحمدللہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم، اما بعد!

معزز صدرِ محفل، محترم مہمانانِ گرامی، اور عزیز حاضرین!

آج ہم ایک ایسی شخصیت کی یومِ ولادت کے حوالے سے جمع ہوئے ہیں جس نے اپنی پوری زندگی قرآنِ حکیم کے پیغام کو سمجھنے، سمجھانے اور اسے اجتماعی زندگی میں نافذ کرنے کی جدوجہد کے لیے وقف کردی۔ آج 9 جولائی کے مناسبت سے ہم مفکرِ قرآن، مفسرِ قرآن، محققِ قرآن اور تحریکِ طلوعِ اسلام کے بانی، علامہ غلام احمد پرویزؒ کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے حاضر ہیں۔

تاریخ میں بہت سے لوگ پیدا ہوتے ہیں، زندگی گزارتے ہیں اور دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں، لیکن کچھ شخصیات ایسی ہوتی ہیں جو اپنی ذات سے بڑھ کر ایک فکر، ایک تحریک اور ایک عہد کی نمائندہ بن جاتی ہیں۔ علامہ غلام احمد پرویزؒ انہی نابغۂ روزگار شخصیات میں سے ایک تھے۔

معزز حاضرین!

علامہ غلام احمد پرویزؒ کی ولادت 9 جولائی 1903ء کو ضلع گورداسپور کے قصبہ بٹالہ میں ہوئی۔ آپ کے دادا مولوی چوہدری رحیم بخشؒ ایک جید عالم، ماہر طبیب اور صاحبِ بصیرت بزرگ تھے۔ ابتدائی تعلیم وتربیت انہی کی نگرانی میں ہوئی۔ یہی وجہ تھی کہ کم عمری ہی سے مطالعہ، تحقیق اور غوروفکر آپ کی شخصیت کا نمایاں وصف بن چکا تھا۔

بعدازاں آپ سرکاری ملازمت میں آئے اور اپنی صلاحیت، دیانت اور محنت کی بدولت وزارتِ داخلہ میں اسسٹنٹ سیکرٹری کے عہدے تک پہنچے۔

لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایک شخص جو اعلیٰ سرکاری منصب پر فائز ہو، وہ اپنی ملازمت کو خیرباد کہہ کر ایک مشکل اور پُرخطر راستہ کیوں اختیار کرتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ پرویزؒ کے نزدیک زندگی کا اصل مقصد قرآن کے پیغام کو عام کرنا اور انسانیت کو اس کی حقیقی

منزل سے آگاہ کرنا تھا۔

چنانچہ 1954ء میں انہوں نے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی تاکہ اپنی تمام صلاحیتیں اور وقت قرآنِ حکیم کے فہم و تدبر کے لیے وقف کر سکیں۔

معزز سامعین!

کسی مفکر کی عظمت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے بڑے بڑے فکری چیلنجز کا کس جرأت اور استدلال سے مقابلہ کرتا ہے۔

جب مولانا ابوالکلام آزاد نے ''ترجمان القرآن'' میں یہ نظریہ پیش کیا کہ تمام مذاہب بنیادی طور پر ایک ہی حقیقت کے مختلف مظاہر ہیں، تو اس وقت برصغیر میں ان کا علمی رعب مسلم تھا۔

بڑے بڑے علماء اظہارِ اختلاف سے ہچکچاتے تھے، لیکن علامہ پرویزؒ نے شخصیتوں کے سحر میں گرفتار ہونے کے بجائے قرآن کو معیار بنایا۔

انہوں نے اس نظریے پر علمی تنقید کی اور واضح کیا کہ قرآن ایک مخصوص نظریۂ حیات پیش کرتا ہے جسے محض مذہبی ہم آہنگی کے عمومی فلسفے میں تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔

یہ ایک نوجوان غیر مولوی کی طرف سے اُس دور کے ''امام الہند'' سمجھے جانے والے شخص کے نظریات پر علمی نقد تھا، جو علامہ پرویزؒ کی قرآنی بصیرت، علمی اعتماد اور جرأتِ اظہار کا روشن ثبوت ہے۔

حضرات!

علامہ پرویزؒ کی زندگی کا ایک اور نمایاں پہلو ختمِ نبوت کے عقیدے کا علمی دفاع ہے۔

1935ء میں بہاولپور کے ایک اہم مقدمے میں قادیانیت کے مسئلے پر جو فیصلہ سامنے آیا، اس کی فکری بنیاد علامہ پرویزؒ کے ایک مضمون سے ماخوذ تھی۔

بعد ازاں آپ نے ''ختمِ نبوت اور تحریک احمدیت'' جیسی اہم کتاب تحریر کی۔

آپ کا امتیاز یہ تھا کہ ہر مسئلے پر جذبات کے بجائے دلیل، تحقیق اور قرآن کی روشنی میں گفتگو کرتے تھے۔

معزز حاضرین!

اگر علامہ پرویزؒ کی تمام خدمات میں سے کسی ایک خدمت کو سب سے زیادہ نمایاں قرار دیا جائے تو وہ قرآنِ حکیم کی تفہیم اور اس کے پیغام کی توضیح ہے۔

انہوں نے ''معارف القرآن'' کے عنوان سے قرآن کے بنیادی تصورات کو ایک نئے انداز میں پیش کیا۔

''من و یزداں''، ''ابلیس و آدم''، ''جوئے نور''، ''برقِ طور''، ''شعلۂ مستور''، ''اسلام کیا ہے؟''، ''نظامِ ربوبیت''،

''خدا اور سرمایہ دار''، ''کتاب التقدیر''، ''جہانِ فردا'' اور سیرتِ رسول ﷺ پر شہرۂ آفاق کتاب ''معراجِ انسانیت'' ان کی علمی عظمت کی روشن مثالیں ہیں۔

ان کی کتاب ''انسان نے کیا سوچا؟'' انسانی فکر کی ڈھائی ہزار سالہ تاریخ کا ایسا جائزہ پیش کرتی ہے جو اردو ادب میں اپنی مثال آپ ہے۔

حضرات!

اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ علامہ پرویزؒ کا سب سے بڑا علمی کارنامہ کیا تھا، تو میں بلا تردد "لغات القرآن" کا نام لوں گا۔

قرآن کے الفاظ کو ان کے اصل قرآنی مفہوم کے ساتھ سمجھنا ایک نہایت دشوار کام تھا۔

اس مقصد کے لیے انہوں نے پچاس سے زائد عربی لغات سے استفادہ کیا اور تنِ تنہا ایک ایسا شاہکار مرتب کیا جو آج بھی اپنی مثال آپ ہے۔

ایک عراقی عالم یہ سن کر حیران رہ گیا کہ یہ عظیم کام کسی ادارے نے نہیں بلکہ ایک فرد نے انجام دیا ہے۔

واقعی بعض اوقات ایک فرد اپنی بصیرت، محنت اور اخلاص سے پوری ایک جماعت کا کام کر جاتا ہے، اور علامہ پرویزؒ اس کی زندہ مثال تھے۔

معزز حاضرین!

علامہ غلام احمد پرویزؒ صرف ایک مصنف یا مفسر نہیں تھے بلکہ ایک عظیم نظریاتی تحریک کے بانی بھی تھے۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ کی ہدایت پر انہوں نے دہلی سے "طلوعِ اسلام" جاری کیا اور تحریکِ پاکستان کے دوران قلمی محاذ پر پاکستان کے حق میں بھرپور کردار ادا کیا۔

لیکن ان کے نزدیک پاکستان محض ایک خطۂ زمین حاصل کرنے کا نام نہیں تھا، بلکہ ایک ایسی مملکت کا قیام تھا جہاں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت عملاً قائم ہو اور انسانی زندگی کے تمام معاملات قرآنِ حکیم کی ہدایت کے مطابق استوار ہوں۔

علامہ پرویزؒ واضح کرتے تھے کہ کلمہ ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کا حقیقی مفہوم یہی ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ، حاکمیتِ مطلقہ اور قانون سازی کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ کسی فرد، طبقے، خاندان یا ادارے کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اللہ کے قانون کے مقابلے میں اپنی حاکمیت قائم کرے۔ قرآنِ حکیم اسی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ ذٰ لِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ

''اختیارِ حاکمیت صرف اللہ کے لیے ہے۔ اسی نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی محکومیت اور اطاعت اختیار نہ کرو۔ یہی سیدھا اور مستحکم نظامِ زندگی ہے۔'' (سورۃ یوسف:40)

اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا

''وہ اپنی حاکمیت میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔'' (سورۃ الکھف:26)

علامہ پرویزؒ فرمایا کرتے تھے کہ ایمان باللہ کا تقاضا یہی ہے کہ انسان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں صرف اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ قوانین کی اطاعت اختیار کرے، کیونکہ اللہ کے نظام میں یہ ممکن نہیں کہ اس کے قانون کے ساتھ کسی دوسرے انسان یا ادارے کے قانون کو شریک کر دیا جائے۔

اسی لیے وہ کہتے تھے کہ پاکستان کا اصل مقصد حاکمیتِ الٰہی کے تحت ایک قرآنی معاشرہ قائم کرنا تھا، اور اس حاکمیت کا عملی اظہار نظامِ ربوبیت کی صورت میں ہونا چاہیے۔

حضرات!

علامہ پرویزؒ کی پوری فکر کا دوسرا بنیادی ستون نظامِ ربوبیت تھا۔ ان کی نظر میں قرآنِ کریم کی پہلی آیت: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ① پوری انسانی زندگی کے لیے ایک جامع منشور پیش کرتی ہے۔

وہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ ربوبیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ کائنات کی ہر شے کو اس کی مخفی صلاحیتوں کے مطابق تدریج کے ساتھ پروان چڑھاتا ہے اور اسے اس کے نقطۂ کمال تک پہنچاتا ہے۔ ایک ننھا سا بیج تناور درخت بن جاتا ہے، ایک قطرۂ آب زندگی کی بے شمار صورتیں اختیار کر لیتا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے نظامِ ربوبیت کے مظاہر ہیں۔

علامہ پرویزؒ کا استدلال تھا کہ جس طرح اللہ کا یہ قانون پوری کائنات میں جاری و ساری ہے، اسی اصول پر انسانی معاشرہ بھی استوار ہونا چاہیے۔ ایسا معاشرہ جہاں رزق کے تمام ذرائع تمام انسانوں کی نشوونما کے لیے میسر ہوں، جہاں ہر فرد کو اپنی صلاحیتیں پروان چڑھانے کے مساوی مواقع حاصل ہوں، جہاں کوئی انسان دوسرے کا استحصال نہ کرے بلکہ اس کی ترقی، تربیت اور تکمیل کا ذریعہ بنے۔ قرآن ایسے کردار کے حامل افراد کو رَبَّانِيُّون قرار دیتا ہے۔

علامہ پرویزؒ اس تصور کو ''ربوبیتِ عالمین'' سے تعبیر کرتے تھے؛ یعنی ایسی عالمگیر فلاحی مملکت جس میں نسل، رنگ، زبان، قومیت اور جغرافیے کی تمام تفریقیں ختم ہو جائیں اور پوری نوعِ انسانی کی پرورش، ترقی اور خیرخواہی مقصود بن جائے۔

ان کے نزدیک اسلامی ریاست کا مقصد صرف مذہبی رسوم کا نفاذ نہیں، بلکہ ایسا عادلانہ نظام قائم کرنا ہے جہاں ہر انسان کی بنیادی ضروریات کی ضمانت ہو، تعلیم و تربیت کے یکساں مواقع میسر ہوں اور ہر فرد اپنی خداداد صلاحیتوں کو بھرپور انداز میں نشوونما دے سکے۔

اسی عظیم مقصد کے لیے انہوں نے ادارہ طلوعِ اسلام قائم کیا، تحریکِ طلوعِ اسلام کی بنیاد رکھی اور ملک و بیرونِ ملک بزمہائے طلوعِ اسلام کے ذریعے قرآن کے اس انقلابی پیغام کو عام کرنے کی مسلسل جدوجہد کی۔

معزز حاضرین!

علامہ پرویزؒ صرف ایک مفکر ہی نہیں بلکہ ایک صاحبِ بصیرت قومی راہنما بھی تھے۔

مشرقی پاکستان کے بحران کے دوران وہ خود وہاں گئے، حالات کا جائزہ لیا اور حکمرانوں کو خبردار کیا کہ اگر ناانصافیوں کا ازالہ نہ کیا گیا تو ملک ٹوٹ سکتا ہے۔

افسوس کہ ان کی آواز پر توجہ نہ دی گئی اور تاریخ نے وہ سانحہ دیکھا جس کے اثرات آج تک محسوس کیے جا رہے ہیں۔

معزز حاضرین!

علامہ پرویزؒ کی زندگی کا سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ حق کو پہچان لینے کے بعد اس پر ڈٹ جانا چاہیے، خواہ پوری دنیا مخالفت میں کھڑی ہو جائے۔

انہوں نے فتووں کی پروا نہیں کی۔

انہوں نے مخالفتوں سے مرعوب ہونا قبول نہیں کیا۔

انہوں نے شہرت، منصب اور مفادات کو قربان کیا، لیکن اپنے مشن کو نہیں چھوڑا۔

اسی لیے آج ان کے وفات کے چار دہائیوں سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود ان کی کتابیں پڑھی جا رہی ہیں، ان کے افکار زیرِ بحث ہیں اور ان کا پیغام آج بھی زندہ ہے۔

15 اکتوبر 1984ء کو انہوں نے آخری مرتبہ درسِ قرآن دیا، مگر پھر مسلسل بستر علالت پر پڑے رہے اور 24 فروری 1985ء کو اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

لیکن اہلِ فکر و دانش کبھی مرتے نہیں۔

ان کے افکار، ان کی تحریریں اور ان کی جدوجہد آنے والی نسلوں کی رہنمائی کرتی رہتی ہے۔

آخر میں، میں یہی عرض کروں گا کہ اگر ہم واقعی علامہ پرویزؒ کو خراجِ عقیدت پیش کرنا چاہتے ہیں تو محض ان کی تعریفیں کافی نہیں ہوں گی۔

ہمیں قرآنِ حکیم کو سمجھنے، اس پر غور و فکر کرنے، اسے اپنی زندگی کا رہنما بنانے اور معاشرے میں اس کے پیغام کو عام کرنے کی جدوجہد کرنا ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں علامہ پرویزؒ کے اخلاص، جرأت، تحقیق پسندی اور قرآنی شعور سے حصہ عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یومِ پرویزؒ

ملک وملت کے ایک عظیم محسن، مفکرِ قرآن علامہ غلام احمد پرویزؒ کے یومِ ولادت کی مناسبت سے ایک پروقار تقریب کا انعقاد

مفکرِ قرآن، مفسرِ قرآن، محققِ قرآن اور بانیِ تحریکِ طلوعِ اسلام علامہ غلام احمد پرویزؒ کے یومِ ولادت (9 جولائی) کی مناسبت سے یومِ پرویزؒ نہایت عقیدت، وقار اور فکری جذبے کے ساتھ بزمہائے طلوعِ اسلام، سوات کے زیرِ نگرانی مینگورہ میں منایا گیا۔ اس موقع پر ایک پروقار، علمی اور فکری تقریب منعقد ہوئی، جس میں بزمہائے طلوعِ اسلام کے اراکین، متفقین اور قرآنِ حکیم کے متلاشی حضرات نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔

تقریب کا آغاز تلاوتِ کلامِ پاک سے ہوا، جس کے بعد علامہ غلام احمد پرویزؒ کی حیات، علمی وفکری خدمات اور تحریکِ طلوعِ اسلام کے اغراض ومقاصد پر تفصیلی خطابات پیش کیے گئے۔

مقررین نے واضح کیا کہ علامہ غلام احمد پرویزؒ نے اپنی پوری زندگی قرآنِ حکیم کے پیغام کو سمجھنے، سمجھانے اور اسے اجتماعی زندگی میں نافذ کرنے کی جدوجہد کے لیے وقف کیے رکھی۔ انہوں نے قرآنِ حکیم کی تفہیم میں خود قرآنِ مجید کے بیان کردہ اصولِ تفسیر کو بنیاد بنایا اور عربیِ مبین، تصریفِ آیات، قرآنی سیاق وسباق اور مستند عربی محاورات کی روشنی میں قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کی سعی کی۔ انہوں نے اس حقیقت کو نمایاں کیا کہ قرآنِ مجید کی بہترین تفسیر خود قرآنِ مجید ہے، اور اسی اصول پر اپنی علمی کاوشوں کو استوار کیا۔

مقررین نے بتایا کہ علامہ پرویزؒ نے قرآنِ حکیم کی تعلیمات پر مبنی ایک عظیم علمی ذخیرہ مرتب کیا، جس میں زندگی کے ہر شعبے سے متعلق قرآنی اصول، حدود، قوانین اور احکامات کو منظم انداز میں پیش کیا گیا۔ ان کی تصنیفات، بالخصوص لغات القرآن، مفہوم القرآن، تبویب القرآن اور دیگر علمی وتحقیقی کتب، قرآنی فکر کے متلاشیوں کے لیے گراں قدر سرمایہ ہیں۔

خطابات میں عوام الناس کو علامہ پرویزؒ کی قرآنی فکر کی جانب متوجہ کرنے کی وجوہات پر بھی تفصیلی دلائل پیش کیے گئے۔ مقررین نے کہا کہ علامہ پرویزؒ نے اسلام کو محض چند مذہبی رسوم وعبادات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مکمل دین، یعنی ایک ہمہ گیر نظامِ زندگی کے طور پر پیش کیا، اور یہ ثابت کیا کہ اس نظام کے عملی نفاذ کے لیے ایک آزاد اور خودمختار اسلامی مملکت ناگزیر

ہے۔ انہوں نے قیامِ پاکستان کے حقیقی مقصد کو قرآنِ حکیم کے مطابق ایک فلاحی، عادلانہ اور قرآنی نظامِ ربوبیت کے قیام سے تعبیر کیا اور پاکستان میں ایسے نظام کے نفاذ کے لیے بھرپور علمی، فکری اور عملی جدوجہد کی۔

مقررین نے مزید کہا کہ علامہ پرویزؒ نوجوان نسل کی قرآنی تعلیمات کے مطابق ایسی جدید، سائنسی، یکساں اور معیاری نظامِ تعلیم کے داعی تھے جس میں ہر شہری کو بلا امتیاز یکساں تعلیمی مواقع میسر ہوں، تاکہ ایک ایسی صالح، باصلاحیت اور باکردار نسل تیار ہو جو پاکستان کو حقیقی معنوں میں ایک قرآنی فلاحی ریاست بنانے میں اپنا کردار ادا کر سکے۔

خطابات میں اس امر کی بھی وضاحت کی گئی کہ علامہ پرویزؒ کی فکر کی شدید مخالفت ان مفاد پرست اور استحصالی طبقات نے کی جنہیں قرآنِ حکیم کی اصطلاح میں گروہِ مترفین کہا گیا ہے، کیونکہ وہ دوسروں کی محنت اور استحصال پر عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں، جبکہ قرآنی نظامِ ربوبیت میں استحصال، طبقاتی امتیاز اور ناجائز مراعات کے لیے کوئی گنجائش موجود نہیں۔

مقررین نے اس بات پر زور دیا کہ اگر پاکستان کو اس کے حقیقی مقصد کے مطابق ایک قرآنی، فلاحی اور عادلانہ ریاست بنانا ہے تو علامہ غلام احمد پرویزؒ کی قرآنی فکر اور ان کے مرتب کردہ علمی ذخیرے کو عام کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، کیونکہ ان کی علمی خدمات ایک ایسی مضبوط فکری و آئینی بنیاد فراہم کرتی ہیں جس پر قرآنِ حکیم کی ہدایات کے مطابق ایک حقیقی اسلامی مملکت کی تعمیر ممکن ہے۔

شرکائے تقریب نے یومِ پرویزؒ کے موقع پر علامہ غلام احمد پرویزؒ کی علمی، فکری اور قومی خدمات کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے اس عزم کا اظہار کیا کہ قرآنِ حکیم کے پیغام کو عام کرنے، اس پر غور و فکر کو فروغ دینے اور معاشرے میں اس کی حقیقی تعلیمات کو پھیلانے کی جدوجہد کو مزید مؤثر، منظم اور وسیع پیمانے پر جاری رکھا جائے گا۔

جاری کردہ: بزمہائے طلوعِ اسلام، سوات

قارئین طلوعِ اسلام توجہ فرمائیں

ماہنامہ طلوعِ اسلام کی درجِ ذیل سالانہ خوبصورت جلدیں 1200 روپے فی جلد کے حساب سے دستیاب ہیں۔

اپنے کتب خانوں میں ''طلوعِ اسلام'' کے فائلز مکمل کرنے کے لئے آرڈر فرمائیے۔ شکریہ

1985,1986,1987,1988,1991,1999,2000,2001,2002,2003,
2004,2005,2006,2011,2015,2016,2017,2018,2019
2020,2021,2022,2023,2024,2025,

بشیر احمد قریشی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظریۂ پاکستان

غیر منقسم ہندوستان میں آزادی کی تحریکوں کے دوران مسلمان رہنما اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کہ آزادی کے حصول کے بعد مسلمان نہ صرف ہندو کے محکوم ہو کر رہ جائیں گے بلکہ اسلامی تہذیب کے معدوم ہو جانے کا خطرہ بھی بعید از امکان نہیں۔ اس سوچ کے تحت مسلمانوں نے مختلف تحاریک کا آغاز کیا جن میں سر سید احمد کی تعلیمی تحریک، علامہ المشرقی ؒ کی خاکسار تحریک اور مسلم لیگ کی سیاسی تحریک قابل ذکر ہیں۔ گو ان تحریکوں کا لائحہ عمل قدرے مختلف تھا تاہم منزل اور مقصود آزادی اور احیاءِ دین، یا غلبہ اسلام ہی تھا۔

علامہ اقبالؒ کو نہ صرف شعر و فلسفہ کے میدان میں نمایاں حیثیت حاصل تھی بلکہ وہ رازدان دین کی صف اول کے مقیم بھی تھے۔ ان کا پختہ یقین تھا کہ جس طرح کسی مشین کے ذریعے مطلوبہ مقاصد حاصل کرنے کی غرض سے اس کا استعمال اور طریقۂ کار اس کا موجد یعنی خالق ہی متعین کر سکتا ہے اسی طرح انسان کو پیدا کرنے والی ہی وہ ہستی ہے جو اس کی زندگی کے مقاصد کی نشان دہی اور اس کے حصول کے لئے طریقۂ کار متعین کر سکتی ہے اور اس سلسلہ میں مکمل رہنمائی قرآن کریم میں اور طریقۂ کار اسوہ رسول ﷺ کی شکل میں میسر ہے نیز یہ کہ یہی وہ فرق ہے جو مسلمانوں کو دیگر اقوام سے یقیناً ایک علیحدہ اور منفرد قوم کی حیثیت عطا کرتا ہے۔

سرور کائنات ختم الرسل محمد مصطفی ﷺ سے عشق انہیں یہ بھی سمجھا رہا تھا کہ حضور ﷺ نے اہل عرب کو قرآن کے دستور پر چلا کر ایک قلیل مدت میں پستیوں سے نکال کر انتہائی بلندیوں پر فائز کر کے ثابت کر دیا تھا کہ قرآن کا دستور ہی وہ دستور ہے جو دنیاوی اور اخروی زندگی میں فلاح کی ضمانت مہیا کرتا ہے۔ انہیں اس بات کا بھی احساس ہو چکا تھا کہ بیسویں صدی کے معروف نظامہائے حیات مثلاً اشتراکیت، مغربی جمہوریت اور کیپٹلزم وغیرہ اسلامی نظام حیات کی ضد ہیں۔ ایسی صورت کے پیش نظر انہیں یقین تھا کہ انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کا سیاسی اور جمہوری طریق ہی کامیابی کی ضمانت مہیا کرتا ہے۔ لہٰذا انہوں نے مسلمانوں کو یہ تجویز پیش کی کہ ہندوستان کے جن خطوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے ان پر مشتمل علاقہ ایک ریاست کی شکل میں جسے پاکستان کے نام سے منسوب کیا جائے مسلمانوں کے حوالے کر دیا جائے جہاں وہ اپنی تہذیب و ثقافت کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔

23 مارچ 1940ء کو مسلم لیگ کے جلسہ میں قرارداد پاکستان پاس ہوئی اور مسلسل جدوجہد اور عظیم قربانیاں دینے کے

بعد بالآخر 14 اگست 1947ء کو پاکستان معرض وجود میں آ گیا۔ بعد میں آئین پاکستان میں قرارداد مقاصد شامل کی گئی جس میں واضح طور پر کہا گیا:

''خدائی ہدایت کے مطابق زندگی گزارنے کے لئے آئین اور آئین کو نافذ کرنے کے لئے ایک آزاد خطۂ زمین کی وراثت چونکہ لازمی امر ہے اس لئے یہی نظریہء پاکستان کی بنیاد قرار پاتا ہے۔''

یہ عجب اتفاق ہے کہ قرآن کریم کی سورہ مائدہ کی آیت نمبر: 44 کا آخری حصہ جس کی مزید تاکید اسی سورہ کی آیت نمبر 45 اور 47 کر رہی ہیں۔

''جو لوگ خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق حکومت نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں'' (44)

''جو لوگ خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق حکومت نہیں کرتے وہی تو ظالم ہیں۔'' (45)

''جو لوگ خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق حکومت نہیں کرتے وہی تو فاسق ہیں۔'' (47)

کماحقہ اس نظریہ کی حمایت کرتی ہیں۔

قوانین خداوندی کی پیروی کرنے والوں کو خدا نے صالحین کے لقب سے نوازا ہے اور انہیں اپنی زمین کا وارث قرار دیا ہے (سورہ انبیاء آیت نمبر: 105) کچھ عجب نہیں کہ جونہی مسلمانوں نے ''پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ'' کا نعرہ لگانا شروع کیا اسی لمحہ مالک ارض وسما نے اپنی زمین کے ایک ٹکڑے کا ان کو وارث ہونا مقدر کر دیا ہو۔

یہ بھی عجب اتفاق ہے کہ قرآنی نظام کے نفاذ کے لئے رسول خدا ﷺ کو مکہ سے مدینہ ہجرت کرنا پڑی اور اسی نظام کے نفاذ کے لئے مسلمانوں کو ہند سے پاکستان ہجرت کرنا پڑی۔ مدینہ میں اسلامی حکومت کی پہلی اینٹ رکھی گئی اور آئین پاکستان میں قرارداد مقاصد کو شامل کر کے اسلامی حکومت کے قیام کا بیڑا اٹھایا گیا۔

کوئی دعویٰ نہیں

کسی قسم کا کوئی دعویٰ نہیں۔ میں نے قرآن کریم کو اپنی بصیرت کے مطابق سمجھنے کی کوشش کی ہے اور اسی فکر پر اس تحریک کی بنیاد رکھی ہے میری یہ فکر میری تحریروں میں محفوظ ہے اور انہی تحریروں کا میں ذمہ دار ہوں۔ اگر کوئی شخص کوئی ایسی بات میری طرف منسوب کرے جو میری تحریروں میں نہیں، تو اس بات کو نہ کوئی سند حاصل ہو سکتی ہے نہ میں اس کا ذمہ دار ٹھہرایا جا سکتا ہوں، خواہ وہ شخص مجھ سے کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو۔ میں نے اس وارننگ کو اس لیے ضروری سمجھا ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ سلسلہ ابھی سے شروع ہو گیا ہے۔ اس زمرہ میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو باتیں تو اپنی طرف سے کرتے ہیں، اور منسوب کر دیتے ہیں انہیں تحریک طلوعِ اسلام کی طرف، وہ دانستہ ایسا کرتے ہیں یا نادانستہ، دونوں صورتوں میں اس سے تحریک کو بڑا نقصان پہنچتا ہے۔ تحریک کے لیے سند صرف وہ تحریریں ہیں جو اس کی طرف سے شائع ہوئی ہیں، نہ کہ زبانی روایات خواہ راوی کتنے ہی ثقہ کیوں نہ ہوں میری درخواست ہے کہ آپ احباب اس کا بھی خاص طور پر خیال رکھیں۔ (پرویزؔ، سالانہ کنونشن، 17 تا 20 مارچ 1966ء)

امجد محمود، راولپنڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک مراسلت

طاہر: آپ کی بات سر آنکھوں پر لیکن میں اس سے متفق نہیں ہوں۔

قرآن حکیم ہدایت کے جواہرات کا معدن ہے لیکن ہر کسی کے لئے اس سارے خزانہ سے ہدایت کے اصول اور انسانی ذات کی نشوونما کے لئے مستقل اقدار کا اخذ کرنا ممکن نہیں۔ چاہیے کہ اختصار کے ساتھ چیدہ چیدہ رہنمائی کے اصول چن کر ایک کتابچہ تیار کیا جائے تا کہ قرآنی فکر کی جستجو کرنے والے کے لئے ایک تیار شدہ رہنمائی میسر ہو جائے۔ یہ کام طلوع اسلام کو اولین دور ہی میں کر دینا چاہئے تھا تا کہ موجودہ دور کے ایک مصروف انسان کی رہنمائی کے لئے ایک مرتب خلاصہ موجود ہو

کیا اسلام کو سمجھنے کے لئے محترم علامہ پرویز کی ہزاروں صفحات پر مشتمل اسلام کا فلسفہ سمجھنا ضروری ہے؟

پرویز صاحب کے ہزاروں صفحات پر مشتمل کتابیں کون پڑھے گا؟ [1]

حتیٰ کہ علامہ پرویز کی نہایت مفید کتاب اسلام کیا ہے میں بھی قرآنی مستقل اقدار کا خلاصہ نہیں ہے۔

قرآنی فکر کے حضرات کے لئے اور تعمیر ذات اور تعمیر سیرت افزائش نفس، اور تکمیل ذات کے ارتقاء کے لئے رہنما اصول اور ہدایات پر مبنی ایک کتابچہ مرتب کیا جانا بہت ضروری ہے۔

جناب ڈاکٹر اعجاز رسول کے لیکچرز اور خالد بھائی کی تحریروں میں کافی مواد موجود تو ہے۔ ان سب قرآنی ہدایات پر مبنی رہنما اصولوں کو ارتکاز کے ساتھ یکجا کر کے مرتب کر دیں۔ ہدایت کے لئے سرگرداں موجودہ مصروف انسان کو قرآن کی طرف متوجہ کرنا درست ہے۔ لیکن اس میں غوطہ لگا لگا کر اس سے ہدایت کے موتی نکالنا ہر کسی کے بس میں نہیں ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کوئی شخص جو صحت کے رہنما اصول کو جاننا چاہتا ہے اسے ہم ایم بی بی ایس کا کورس تھما دیں۔

میری تجویز ہے: مہربانی کر کے اس اہم کام کو جو مدتوں سے نظرانداز ہو رہا ہے اور تکمیل کا منتظر ہے اس کے لئے عملی کوشش کریں اور کوئی مختصر گائیڈ تیار کریں:۔

عمومی طور ہم لوگ قرآنی فکر کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن قرآنی فکر کی روشنی میں موجود کسی عظیم شخصیت کو پیش نہیں کر سکتے جو کسی کے لئے نمونہ اور رول ماڈل کے طور پر پیش کیا جا سکے۔

ہم میں سے بہت کم قرآن سے ہدایت لے کر اپنی شخصیت اور ذات کی نشوونما کر کے صالحیت کے اعلیٰ مقام تک رسائی حاصل کرتے ہیں اور جذباتی طور پر تصوراتی مجرد باتیں ہی کرتے ہیں۔

---

[1] طاہر صاحب کو طلوعِ اسلام ٹرسٹ سے شائع شدہ ''اسلامی معاشرت'' اور ''قرآنی قوانین'' خرید کر پڑھ لینا چاہئیں۔ (مدیر)

امجد محمود: قرآن کریم نے اپنے متعلق کہا ہے کہ یہ بہت آسان کتاب ہے، یہ مفصل ہے، یہ عربی مبین ہے، ہم نے اسے انسان کے لئے بہت سہل کر دیا ہے، یہ ہر دور کے لئے راہنمائی ہے۔ استادِ محترم جناب علامہ پرویز رح نے اس قرآن کو اس طرح کھول کھول کر ہمارے سامنے رکھ دیا ہے گویا یہ پکی کا قاعدہ ہو، آسان مطالب میں بیان کر دیا ہے، باب باب کر کے بنی نوعِ انسان کو آگے بڑھ کر اسے سمجھنے کے راستے بتلا دیے ہیں، خدا کی کتاب کو لے کر (قرآن کے الفاظ میں) صدائیں بلند کئے رکھی ہیں کہ ہے کوئی جو اس سے راہنمائی چاہتا ہے جو اپنے سفرِ زندگی کے لئے اس پہ چل کر اپنے آپ کو سنوارے اور دوسروں کے لئے کوئی نمونہ بن کر سامنے آسکے، کیا یہ سب کچھ ناکافی ہے؟؟؟؟ میرے خیال میں تو اب اس کے بعد یہی رہ جاتا ہے کہ اسے پانی میں گھول کر انسان کے منہ میں ڈال دیں۔ ہاں معاذ اللہ خدا یہ کچھ کرنا بھول گیا تھا اور آگے ہمارے محترم بابا جی بھی یہ کچھ نہ کر سکے۔ اوخدا کے بندو! کچھ تم نے خود بھی کرنا ہے یا نہیں، کیا آپ یہ چاہتے ہو کہ ہم کچھ نہ کریں اور ہمیں وہ سب کچھ بیٹھے بٹھائے مل جائے جو ہمیں اس موجودہ جہنم کی زندگی سے نکال کر اس جنت کی زندگی کی جانب لے چلے جس کا وعدہ ہمارے رب کریم نے ہم سے کر رکھا ہے۔ عقل کے اندھو! وہ تمہیں تمہارے اعمالِ صالحہ کے بدلے میں ملے گا نا کہ مادی مفادات کے حصول میں غرق رہنے سے۔ معذرت کے ساتھ یہ کسی کے لالا جی کا واڑہ نہیں جو یونہی آنکھیں بند کرنے سے آن پہنچے۔ یہ کتابیں لکھیں وہ کتابیں لکھیں، ایسے کریں ویسے کریں، یوں نہیں یوں کریں۔ او بابا ہمیں وہ تو سمجھ آ نہیں رہا جو اتنی بڑی مقدار میں ہمارے سامنے آسان ترین انداز میں مکمل طور پہ موجود ہے اور چاہ یہ رہے ہیں کہ کچھ اور طرح کے لوازمات تیار ہو جائیں جو ابھی تک نہیں ہو سکے۔ اس انبارِ دستیاب سے تمہارا دل نہیں ہلا جو آئندہ کچھ آنے سے کیا ہل پائے گا۔ بھائی اس لایعنیت سے باہر نکلو اور اپنے من کے نہاں خانوں کو ابلیسیت (مایوسی) سے صاف کرو اور اللہ پاک کا نام لے کر اس قرآن یعنی دورِ حال کے مردِ قلندر (علامہ پرویزؒ) کے افکارِ جلیلہ میں ڈوب جاؤ، کچھ عرصہ اس میں غوطے کھاؤ، اس سے باہر دیکھنے کا سوچو بھی مت، یکسوئی سے اس میں غور و فکر کرو تب کہیں جا کر تمہارے ہاتھ کوئی گوہرِ نایاب آسکتا ہے۔ اور اگر اس راہنمائی کو یونہی مذاق میں کہ وہ مل جائے یہ مل جائے، فلاں طور چلیں اور فلاں طریق اپنائیں تو میرے بھائی پھر اسی طرح بھٹکتے رہو گے جس طرح اس وقت بھٹک رہے ہو۔ ''شبِ ہجراں کے جاگنے والو۔۔۔ کیا کرو گے اگر سحر نہ ہوئی'' حرفِ آخر: محترم زندگی کا اصول بنا لو کہ جو ہے اسی کو لے کر چل پڑو۔۔۔ اور جو نہیں ہے اس کا انتظار مت کرو، ہو سکتا ہے اور یہ یقین رکھو کہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ موجود کو لے کر چل پڑنے سے ناموجود جو ہوتا ہے کچھ ہی دور جانے پہ وہ اپنی باہیں پھیلائے تمہارے استقبال کے لئے تیار کھڑا ہوتا ہے۔ ''اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے۔۔۔ پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے'' شکریہ والسلام

دعا ہے کہ ''اے کاش تیرے دل میں اتر جائے میری بات''

عارف محمود کسانہ، سویڈن
arifkisana@gmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بچوں کا صفحہ

آدم اور فرشتوں کی کہانی

(بچوں کے لیے)

چھٹی کا دِن تھا اور موسم بھی بہت خوشگوار تھا۔ حارث بہت خوش تھا کیونکہ وہ آج اپنے گھر والوں کے ساتھ تفریح کے لیے جھیل کے کنارے آیا ہوا تھا۔ بہت لوگ وہاں آئے ہوئے تھے اور سب خوشگوار موڈ میں تھے۔ بچے پارک میں کھیل رہے تھے اور کچھ لوگ گپ شپ لگا رہے تھے۔ حارث کی امی نے پکنک کے لیے کھانے پینے کی چیزیں تیار کی تھیں۔ حارث اپنے ابو کے ساتھ جھیل کے کنارے بطخوں اور دوسرے آبی پرندوں کو روٹی کے ٹکڑے ڈال رہے تھا اور بہت سے پرندے وہاں جمع ہو گئے تھے۔ چھوٹا ہاشم بھی ساتھ ہی کھیل رہا تھا۔ امی نے اُسے کہا کہ پانی کی طرف نہ جانا لیکن وہ تو بہت شرارتی تھا اور امی کے منع کرنے کے باوجود پانی کی طرف بھاگا۔ اِس پر ابو نے کہا حارث دوڑ کر جاؤ اور ہاشم کو پکڑو کہیں وہ پانی میں نہ گر جائے۔ حارث نے اُسے جا کر روکا اور پکڑ کر امی کے پاس لے آیا۔ ابو بھی وہیں آ گئے اور امی نے سب کو چاٹ ڈال کر دی اور وہ مزے سے کھانے لگے۔

حارث نے ابو سے کہا ابو آپ سے ایک سوال پوچھنا ہے وہ یہ کہ آدم اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے باوجود جب پھل کھانے کے لیے جانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں روکا کیوں نہیں یا کسی فرشتے کے ذریعہ انہیں ایسا کرنے سے کیوں نہیں بچایا۔ ابو کہنے لگے واقعی یہ تو بہت ہی اہم سوال ہے۔ بیٹا جب اللہ نے آدم کو بنایا تو اُس میں یہ صلاحیت بھی رکھ دی تھی کہ اپنی مرضی اختیار کر سکے۔ اُسے دونوں راستے بتا دیے، درست بھی اور غلط بھی اور اُسے مکمل اختیار دیا کہ جو راستہ وہ چاہے اُس پر چلے۔ یہی انسان اور باقی ساری مخلوق میں فرق ہے۔ اللہ کی پیدا کی ہوئی تمام مخلوق چاہے چرند پرند ہوں یا فرشتے، چاند سورج اور سیارے ہوں یا کوئی بھی اور سب خدا کے بنائے ہوئے قانون کے تحت چلتے ہیں اور کسی میں ذرہ برابر ادھر اُدھر ہونے کی نہ ہی صلاحیت ہے اور نہ ہی وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ سورج چاند اپنے اپنے راستے پر مسلسل گردش میں ہیں اور اُن کی رفتار میں ایک لمحے کا بھی فرق نہیں ہوتا۔ تمام جانور بھی اپنی اپنی فطرت کے مطابق رہتے ہیں اور کبھی بھی اُس کے خلاف نہیں جاتے۔ شیر جتنا بھی بھوکا ہو جائے لیکن گھاس نہیں کھائے گا اِسی طرح بکری گوشت کی طرف منہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گی۔ کائنات کی تمام مخلوق کے برعکس اللہ تعالیٰ نے آدم کو اختیار دے رکھا ہے کہ وہ جو چاہے وہ کرے یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کے خلاف بھی چل سکتا ہے اور اسی اختیار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آدم کو نہیں روکا تھا۔ انسان کو خدا نے شعور دیا ہے جبکہ دیگر جانداروں میں یہ صفت نہیں ہے۔ اللہ نے آدم کو اچھے اور بُرے کی صلاحیت دے دی جبکہ باقی مخلوق میں ایسا نہیں ہے۔ بکری کو جب بھوک لگتی ہے وہ نہیں دیکھتی کہ یہ اُس کے مالک کا کھیت ہے یا کسی اور کا، وہ اپنا پیٹ بھر لیتی ہے۔ شیر جب شکار کرتا ہے وہ نہیں دیکھتا کہ چھوٹا جانور

ہے یا بڑا، وہ اپنی بھوک مٹانے کے لیے حملہ آور ہو جاتا ہے۔

حارث: جی ابو میں نے ایک دفعہ ٹیلی وژن میں دیکھا تھا کہ ایک بڑا سا شیر ہرن کے چھوٹے سے بچے کو پکڑ رہا تھا۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا اِس لیے میں نے ٹیلی وژن ہی بند کر دیا تھا۔ لیکن ابو جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بتایا کہ میں آدم کو بنا رہا ہوں تو انہوں نے اعتراض بھی تو کیا تھا۔ فرشتوں نے ایسا کیوں کیا۔

ابو: تم نے بالکل درست کہا ہے اور یہ قرآن مجید میں بھی ہے۔ فرشتوں کو اِس بات پر حیرت ہو رہی تھی کہ ایک ایسی مخلوق بنائی جا رہی ہے جس کے پاس خدا کے حکم اور قانون کے خلاف کام کرنے کی بھی صلاحیت ہوگی۔ اِس بنا پر انہوں نے کہا کہ ایسی مخلوق جس کے پاس اِس طرح کا اختیار ہوگا وہ تو فساد بھی پھیلا سکتی ہے کیونکہ فرشتے اور خدا کی باقی ساری مخلوق تو خدا کے حکم کے خلاف نہیں جا سکتیں۔ لیکن اللہ نے کہا جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے اور یہ بالکل درست ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے اور فرشتوں کو بھی اُسی نے پیدا کیا ہے لہذا فرشتے کیسے اللہ سے بہتر جان سکتے تھے۔

حارث: لیکن ابو جان بعد میں فرشتوں نے آدم کو سجدہ کیوں کیا تھا۔

ابو جان: اللہ تعالیٰ نے جب آدم کو پیدا کیا تو اُس میں یہ صلاحیت بھی رکھ دی کہ وہ علم حاصل کر سکے اور کائنات کی چیزوں کے نام جان سکے۔ آدم نے اللہ کی دی ہوئی اس صلاحیت سے فائدہ اُٹھایا اور اپنے اردگرد کی چیزوں کے نام جان لیے۔ فرشتوں میں یہ صلاحیت نہیں تھی اِس لیے وہ کائنات کی چیزوں کے بارے میں کچھ بھی نہ جانتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پوچھا کہ اِن چیزوں کے نام بتاؤ لیکن انہوں نے کہا کہ ہمیں تو معلوم نہیں، ہم کیسے بتا سکتے ہیں۔ اللہ نے آدم سے پوچھا تو آدم نے تمام چیزوں کے نام بتا دیے اِس پر فرشتوں سے اللہ تعالیٰ نے کہا کہ جو میں جانتا ہوں تم نہیں جان سکتے۔ اِسی برتری کی وجہ سے اللہ نے فرشتوں سے کہا کہ وہ آدم کے سامنے جھک جائیں تو سب نے آدم کو سجدہ کیا گویا اِس طرح کائنات کی تمام قوتیں انسان کے سامنے جھک گئیں جس کی طرف قرآنِ حکیم نے واضح طور پر کہا ہے کہ کائنات کی تمام چیزیں انسان کی دسترس میں ہیں۔ جب سب فرشتوں نے انسان کو سجدہ کیا اُس وقت ابلیس یعنی شیطان نے انکار کر دیا اور وہ اکڑ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا تو اب میرا نافرمان ہے۔ ابلیس نے یہ کہا کہ وہ آدم کی نسل کو بہکانے اور غلط رستے پر چلانے کی کوشش کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میرے نیک لوگوں پر تیرا کوئی اثر نہیں ہوگا۔

حارث: ابو اور بتائیں اس کے بعد کیا ہوا۔

ابو جان: آدم اپنی بیوی کے ساتھ خوش و خرم رہ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کہا جہاں سے جو مرضی ہو کھائیں مگر ایک خاص درخت تھا اُس کے قریب نہ جائیں یعنی انہیں آپس میں اختلاف کرنے سے منع کیا۔ مگر ابلیس نے دونوں سے وہی کرایا جس سے اللہ نے روکا تھا۔ بعد میں انہیں احساس اور افسوس ہوا کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ دونوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور اللہ سے توبہ کی اور معافی مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی توبہ کو قبول کر لیا۔ ہمیں بھی چاہیے جب بھی کوئی غلطی ہو تو اُس کو تسلیم کر لینا چاہیے اور فوراً توبہ کرنی چاہیے اور پھر دوبارہ ویسی غلطی نہیں کرنی چاہیے۔ اتنی دیر میں حارث کا دوست علی آ گیا اور وہ دونوں ساتھ ہی بنے پارک میں کھیلنے چلے گئے۔ (ماہنامہ طلوع اسلام، جنوری 2012ء سے ماخوذ)

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت ادارہ طلوعِ اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں 20X30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مطالب القرآن فی دروس الفرقان

نام کتاب	سورت نمبر	صفحات	ہدیہ
سورۃ الفاتحہ	(1)	240	300/-
سورۃ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	150/-
سورۃ البقرہ (اوّل)	(2)	500	600/-
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538	600/-
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500	600/-
سورۃ آلِ عمران (اوّل)	(3)	472	600/-
سورۃ آلِ عمران (دوم)	(3)	480	600/-
سورۃ النساء	(4)	870	1000/-
سورۃ المائدہ	(5)	450	600/-
سورۃ الانعام	(6)	600	700/-
سورۃ الاعراف (اوّل)	(7)	480	550/-
سورۃ الاعراف (دوم)	(7)	400	550/-
سورۃ الانفال	(8)	210	300/-
سورۂ توبہ	(9)	530	600/-
سورۂ یونس	(10)	360	450/-
سورۂ ھود	(11)	400	500/-
سورۃ یوسف	(12)	288	400/-
سورۃ الرعد، ابراھیم، الحجر	(13-14-15)	500	600/-

سورۃ النحل	(16)	334	400/-
سورۂ بنی اسرائیل	(17)	396	500/-
سورۃ الکہف، مریم	(18-19)	532	600/-
سورۂ طٰہٰ	(20)	416	500/-
سورۃ الانبیآء	(21)	336	400/-
سورۃ الحج	(22)	380	500/-
سورۃ المومنون	(23)	408	500/-
سورۃ النور	(24)	264	400/-
سورۃ الفرقان	(25)	389	500/-
سورۃ آلشعراء	(26)	454	500/-
سورۃ النمل	(27)	280	400/-
سورۃ القصص	(28)	334	450/-
سورۃ العنکبوت	(29)	388	500/-
سورۂ روم، لقمان، السجدہ	(30-31-32)	444	550/-
سورۃ الاحزاب، سباء، فاطر	(33-34-35)	570	700/-
سورۂ یٰسٓ	(36)	164	250/-
سورۃ الصافات، ص، زمر	(37-38-39)	450	550/-
سورۃ مومن، حٰمٓ سجدہ، الشوریٰ	(40-41-42)	624	700/-
سورۃ الزخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، محمدؐ	(43-44-45-46-47)	520	600/-
سورۃ الفتح، الحجرات، قٓ، الذاریات، الطور، النجم	(48-49-50-51-52-53)	550	650/-
سورۃ القمر، الرحمٰن، واقعہ، الحدید	(54-55-56-57)	384	500/-
اٹھائیسواں پارہ (مکمل)	(سورۃ المجادلہ تا سورۃ التحریم تک)	300	400/-
انتیسواں پارہ (مکمل)	(سورۃ الملک تا سورۃ المرسلات تک)	544	600/-
تیسواں پارہ (مکمل)	(سورۃ النبا تا سورت والناس تک)	624	700/-
شرح جاوید نامہ		800	1200/-
فہرست موضوعات مطالب القرآن فی دروس الفرقان		800	1000/-

مطبوعات طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

بانئ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کے تحریکِ پاکستان کی دینی اساس سے متعلق ذاتی مشیر، منفرد مفکرِ قرآن و بانی تحریک طلوعِ اسلام اور تحریکِ پاکستان گولڈ میڈلسٹ

علامہ غلام احمد پرویزؒ کی تصانیف

2026

نام کتاب	پیپر بیک	مجلّد
مفہوم القرآن (مکمل سیٹ مجلّد)		6000
مفہوم القرآن (مکمل سیٹ مجلد۔ دو جلدوں میں)		6500
لغات القرآن (مکمل سیٹ مجلّد)		8000
تبویب القرآن (مجلّد)		6500
مطالب الفرقان (مکمل سیٹ ــــ سورہ فاتحہ تا سورہ الحجر)		
مطالب الفرقان (جلد اول)	900	1800
مطالب الفرقان (جلد دوم)	900	1800
مطالب الفرقان (جلد سوم)	900	1800
مطالب الفرقان (جلد چہارم)	900	1800
مطالب الفرقان (جلد پنجم)	*	1800
مطالب الفرقان (جلد ششم)	900	*
مطالب الفرقان (جلد ہفتم)	Out Of Print	
من و یزداں (اللہ کا صحیح تصور)	900	*
اِبلیس و آدم	900	1800
جُوئے نور	900	*
برقِ طور (داستانِ حضرت موسیٰؑ)	900	1800
شعلۂ مستور (حضرت عیسیٰؑ کی داستان)	*	1800
معراجِ انسانیت (سیرتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم)	1100	2200

نام کتاب	پیپر بیک	مجلّد
مذاہبِ عالم کی آسمانی کتابیں	800	1600
انسان نے کیا سوچا؟	900	1800
اِسلام کیا ہے؟	800	1600
کتاب التقدیر	900	1800
جہانِ فردا (مرنے کے بعد کیا ہوگا؟)	*	1800
شاہکارِ رسالت (سیرتِ فاروقِ اعظمؓ)	1100	2200
نظامِ ربوبیت (قرآن کا معاشی نظام)	900	1800
تصوف کی حقیقت	900	1800
قرآنی قوانین	800	1600
سلیم کے نام خطوط (جلد اول)	800	1600
سلیم کے نام خطوط (جلد دوم)	*	1600
سلیم کے نام خطوط (جلد سوم)	*	1600
طاہرہ کے نام خطوط	800	1600
ختمِ نبوت اور تحریکِ ''احمدیت''	700	1400
حسنِ کردار کا نقشِ تابندہ (قائدِاعظمؒ)	*	700
اقبالؒ اور قرآن (اول۔ دوم)	900	1800
مجلس اقبالؒ۔ اول (شرح مثنوی اسرارِ خودی و رموزِ بے خودی)	900	1800
مجلس اقبالؒ۔ دوم (شرح مثنوی پس چہ باید کرد ...)	Out Of Print	
قائدِاعظمؒ کے تصور کا پاکستان (مجموعۂ مقالات و خطبات)	800	*
بہارِ نو (مجموعۂ مقالات و خطبات)	800	1600

نام کتاب	پیپربیک	مجلّد
ISLAM: A Challenge to Religion	1500	3000
Exposition of the Holy Quran	*	8000
The Book Of Destiny	1500	3000
Reasons for Decline of Muslims	Out Of Print	
Islamic Way of Living	*	1200
Letters to Tahira	*	3000
Quranic Laws	*	3000
The Quranic System of Sustenance	*	3000
Did Quaid-e-Azam Want to Make Pakistan a Secular State?	*	700
اسلامی معاشرت (روزمرہ کے متعلق قرآنی احکام وہدایات)	400	800
اسبابِ زوالِ امت	400	800
جہاد (جہاد کے متعلق قرآنِ کریم کے احکامات)	*	600
خدااور سرمایہ دار (مجموعہ مقالات وخطبات)	700	1400
سلسبیل (مجموعہ مقالات وخطبات)	800	1600

نام کتاب	پیپربیک	مجلّد
فردوسِ گم گشتہ (مجموعہ مقالات وخطبات)	800	*
متفرق کتب		
مقامِ حدیث	800	1600
قرآنی فیصلے (جلداول)	900	*
قرآنی فیصلے (جلددوم)	900	1800
قتلِ مرتد، غلام اور لونڈیاں اور یتیم پوتے کی وراثت	*	600
مزاج شناسِ رسول	700	1400
تحریکِ پاکستان کے گم گشتہ حقائق	Out Of Print	
The Best Of A.S.K. Joommal	*	3000
The Pakistan Idea	Out Of Print	
Woman - Recreated	*	1000
The Bible - Word of God or Word of Man	*	2000
The Holy Quran and our Daily Life	Out Of Print	

کتابیں ملنے کا پتہ

طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صرف ہوتی ہے۔

طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) 25/بی، گلبرگ 2، لاہور

Whatsapp: **0300-5842023**

tolueislam@gmail.com

www.islamicdawn.com

ان قیمتوں میں ڈاک خرچ اور پیکنگ کا خرچہ شامل نہیں۔ یہ قیمتیں کسی بھی وقت تبدیل ہوسکتی ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یکے از مطبوعات کاروانِ باغبان

چند اہم خبریں:

❁ 3 جون 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن سے پاکستان زندہ باد کا نعرہ پہلی بار لگایا۔

❁ 30 جولائی 1963ء کو صدارتی کابینہ نے تقریباتی لباس کی منظوری دے دی، سفید شلوار، کالی شیروانی، جناح کیپ یا پگڑی یا لاونج سُوٹ کے ساتھ اندرونِ ملک جناح کیپ اور بیرون ملک صرف جناح کیپ۔

❁ 10 مارچ 1965ء ملک غلام احمد مدرس چک نمبر 560 گ ب تحصیل جڑانوالہ ضلع لائل پور (اب فیصل آباد) کے لڑکے منیر احمد نے 13 سال کی عمر میں B.A کا امتحان پاس کر کے عالمی ریکارڈ توڑ دیا۔ اس سے پہلے لارڈ ویلیز لی (Lord Wellesley) نے 14 سال کی عمر میں B.A پاس کیا تھا۔

❁ 4 مئی 1965ء کو خورشید سنیما راولپنڈی کے گیٹ کیپر کو ہلاک کر دیا گیا جس نے قومی ترانے کا احترام کرنے کو کہا تھا۔

25 مئی 1959ء کو بزم طلوعِ اسلام مری قائم ہوئی۔ اس کے قیام کا سہرا جناب ڈاکٹر ملک محمد حیات سابق انچارج سول ہسپتال مری کو جاتا ہے۔ اس بزم کے قیام میں جن دیگر احباب نے حصہ لیا ان میں عبدالواحد، مضطر عباسی، فضل الٰہی، حنیف وجدانی، عرفان عباسی، محمد اسماعیل اور محمد افتشار قابل ذکر ہیں۔ بزم مری کے زیر اہتمام محترم پرویزؒ نے ایمبیسیڈر ہال، مری میں ایک جلسۂ عام سے خطاب بھی کیا تھا۔

آج پھر اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ مری اور پوری پاکستان اور بیرون پاکستان کے طلوعِ اسلام کے قاری مل کر تعاون سے بزم طلوعِ اسلام مری کو از سرِنو زندہ کریں تاکہ وہاں درسِ قرآن پرویز صاحب جاری ہو سکے۔

والسلام

ارشد علی اپنے خیالات کا اظہار فرماتے ہوئے

اقبال ادریس خطاب فرماتے ہوئے

شاہنواز ایڈووکیٹ، سلیم اقبال اور عمران خان اپنے خیالات کا اظہار فرماتے ہوئے

سماعت گاہ کے مناظر

حاضرینِ مجلس کا ایک منظر

PUBLISHED SINCE 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL.NO. 28
VOL.79
ISSUE 08

Monthly TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546
E-mail:idarati@gmail.com Web: www.toluislam.org